ربیع الاوّل ۱۴۴۷ھ
ستمبر ۲۰۲۵ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- اسرائیل نامنظور (شجاع الدین شیخ)
- ختمِ نبوّت اور ہماری ذمّہ داریاں
- اِطاعتِ رسول ﷺ کی اہمیت
- جاہلیّتِ جدیدہ اور جاہلیّتِ قدیمہ کا امتزاج

داعی رجوع الی القرآن، بانی تنظیم اسلامی
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل
بیانُ القرآن
ترجمہ و مختصر تفسیر
کی شہرۂ آفاق پزیرائی اور مقبولیت کے بعد اب پیش ہے:
مختصر
بیانُ القرآن
ترجمہ مع منتخب حواشی
امپورٹڈ میٹ پیپر ❁ دیدہ زیب مضبوط جلد ❁ 1248 صفحات
-/4500 روپے کے بجائے
صرف -/2200 روپے میں
فری ہوم ڈیلیوری کے ساتھ
رمضان پیکج کے تسلسل میں
مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)
maktaba@tanzeem.org
0301-1115348

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

’’اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!‘‘

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ علیہ

جلد	:	74
شمارہ	:	9
ربیع الاوّل		1447ھ
ستمبر		2025ء
فی شمارہ	:	50روپے
سالانہ زرِتعاون	:	500روپے

مُدیرِ مسئول
شجاع الدّین شیخ

مجلسِ ادارت
○ رضاء الحق ○ ایوب بیگ مرزا
○ خورشید انجم ○ وسیم احمد

مُدیرِ اعزازی
حافظ عاکف سعید

مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

معاون مدیران
○ محمد خلیق ○ حافظ محمد زاہد

مکتبہ خُدّامُ القرآن لاہور، 36-K، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700

فون: 3-35869501 (042) ، 0341-4941212

ای میل: maktaba@tanzeem.org

رابطہ برائے ادارتی امور (042)38939321
publications@tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی ’’دارُالاسلام‘‘ ملتان روڈ چوہنگ لاہور
(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 78-35473375(042)

ویب سائٹ www.tanzeem.org , www.tanzeemdigitallibrary.com

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور   طابع: رشید احمد چوہدری   مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال — 3
ختمِ نبوت اور ہماری ذمہ داریاں — رضاء الحق

درسِ قرآن — 7
سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ (۱) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

دین همه اوست — 31
اطاعتِ رسول ﷺ کی اہمیت — حافظ عاکف سعید

منبر و محراب — 35
اسرائیل نامنظور: دینی، تاریخی اور پاکستانی موقف — شجاع الدین شیخ

تذکرہ و تبصرہ — 50
نئے تجارتی معاہدات اور امریکہ سے توقعات — شجاع الدین شیخ

ظروف و احوال — 53
جاہلیتِ قدیمہ اور جاہلیتِ جدیدہ کا امتزاج — ایوب بیگ مرزا

حسنِ معاشرت — 59
اسلام اور عورت — امۃ المعطی

تعمیرِ سیرت — 69
شکر گزاری — احمد علی محمودی

حقیقتِ دین — 75
اسماء اللہ الحسنیٰ (۳) — پروفیسر حافظ قاسم رضوان

’’ادارہ‘‘ کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے کامل اتفاق ضروری نہیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ختمِ نبوّت اور ہماری ذمّہ داریاں

قیامِ پاکستان کے بعد سے ۱۹۶۵ء تک ستمبر کے مہینے کی پاکستان میں کوئی خاص تخصیص نہیں تھی مگر پاک بھارت جنگ کے بعد سے اس مہینے کو خاص اہمیت حاصل ہوگئی۔ ایک عرصہ تک ۶ ستمبر کو سرکاری چھٹی بھی ہوتی رہی ہے۔ اِس کے ۹ سال بعد اور آج سے ۵۱ سال قبل ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو ایک عظیم تحریک کے نتیجے میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تو پاکستانیوں کے سر فخر سے بلند ہو گئے کہ جیسے وہ بارگاہِ رسالت میں سرخرو ہو گئے ہوں۔

ان سطور کے تحریر ہونے تک ماہِ ربیع الاول کا آغاز نہیں ہوا‘ لیکن اس امر کا امکان ہے کہ اِس سال یومِ ختم نبوت اور ۱۲ ربیع الاول شاید پہلی مرتبہ ایک ساتھ آئیں۔ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ختم نبوت پر پہرہ دینا ہر مسلمان کا فرض اور اس کے ایمان کا تقاضا ہے۔ اسی فرض کی ادائیگی کے لیے قادیانیت کے فتنے کا تعاقب کیا گیا اور دینی طبقات کی طرف سے تحریک چلائی گئی تھی۔

قرآن مجید کی سورۃ الاحزاب (آیت ۴۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ﴾ ’’(دیکھو!) محمد (ﷺ) تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں پر مہر ہیں۔‘‘ ختم نبوت کی دلیل کے طور پر قرآن حکیم میں فقط یہ ایک ہی آیت نہیں ہے بلکہ کم وبیش ۱۰۰ مقامات پر اس حوالے سے دلائل موجود ہیں۔

خود حضور ﷺ نے فرمایا: ((اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ)) ’’مَیں آخری نبی ہوں‘ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔‘‘ آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی آ جائیں تو میری اتباع کے سوا اُن کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی جب اِس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے تو وہ نئے نبی کی حیثیت سے نہیں آئیں گے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت پر ہی عمل کریں گے۔

بنیادی طور پر انبیاء ورُسل کا اصل مقصد اتمامِ حجت ہے تاکہ روزِ محشر کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اے اللہ! مجھے معلوم نہیں تھا کہ تیری رضا کن چیزوں میں ہے! وہ کیا اوامر ہیں جن پر ہم نے عمل کرنا ہے اور وہ نواہی کون سے ہیں جن سے تُو نے منع کر دیا۔ ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کیوں فرمائی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ (آیت ۳۰) میں فرمایا: ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ﴾ ’’اور یاد کرو جب کہ کہا تھا تمہارے ربّ نے فرشتوں سے کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ۔‘‘

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ یعنی نائب بنایا جو کہ بہت اونچا مقام اور منصب ہے۔ جب اپنے اس ارادے کا اظہار فرشتوں کے سامنے فرمایا تو ان کی طرف سے یہ بات سامنے رکھی گئی کہ: ﴿قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ﴾ (البقرۃ:۳۰) ’’اُنہوں نے کہا: کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرّر کرنے والے ہیں جو اس میں فساد مچائے گا اور خون ریزی کرے گا؟ اور ہم آپ کی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کی تقدیس میں لگے ہوئے ہیں۔‘‘ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ چنانچہ پہلے انسان کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام کے طور پر ہوئی اور وہ پہلے نبی بھی تھے۔ اس کے بعد ان کی ذریت کا سلسلہ آگے چلا ہے۔

دنیا میں اعمال کے ضمن میں انسان کو اختیار دے دیا گیا اور اس کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے حضرت آدم علیہ السلام ہی سے انبیاء کا سلسلہ شروع کر دیا اور آخری نبی ﷺ تک کم وبیش ایک لاکھ ۲۴ ہزار انبیاء اور ۳۱۳ رسول اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے۔ ہر دور میں اور ہر قوم میں انبیاء کو بھیجا گیا۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کا مطالعہ کریں تو آغازِ وحی سے زندگی کے آخری لمحے تک آپ ﷺ نے جو عمل متواتر کیا ہے وہ ہے لوگوں تک دین کی دعوت کو پہنچانا‘ ان پر اتمامِ حجت قائم کرنا‘ اس کی بنیاد پر ایک جماعت کی تشکیل اور معرکۂ حق و باطل میں اللہ کے دین کے غلبے کے لیے لڑنا۔

حضور ﷺ کی رسالت عالمگیر ہے۔ آپ ﷺ کو سارے عالم پر اسلام کے غلبے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ لہٰذا جب تک پوری زمین پر اللہ کا دین غالب نہیں ہو جاتا‘ حضور ﷺ کا

مشن تکمیل کو نہیں پہنچے گا ۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ’’میرے ربّ نے ساری زمین مجھے لپیٹ کر دکھا دی‘ میں نے اس کے مشرق بھی دیکھے‘ مغرب بھی دیکھے‘ اور میری اُمّت کا اقتدار وہاں تک پہنچے گا جہاں تک زمین مجھے لپیٹ کر دکھا دی گئی ۔‘‘

ایک اور حدیث میں ہے کہ ’’روئے زمین پر کوئی گھر یا خیمہ نہیں بچے گا جس میں اللہ کا دین داخل نہ ہو‘ عزت دار کی عزت کے ساتھ اور ذلیل کی ذلت کے ساتھ ۔‘‘ یعنی یا تو لوگ اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے مساوی مرتبہ پائیں گے‘ یا پھر ذِمّی بن کر اسلامی ریاست کی بالادستی قبول کریں گے ۔ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا‘ کیونکہ یہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ۔ کب ہوگا‘ یہ صرف اللہ جانتا ہے ۔ بحیثیت مسلمان ہمارا امتحان ہے کہ ہم حضور ﷺ کے اِس مشن کے لیے کیا کر رہے ہیں! کس وقت کس کی موت آ جائے‘ ہم اللہ کو کیا جواب دیں گے؟

یہ مملکتِ خداداد ہم اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے نام پر لے کر بیٹھے ہوئے ہیں ۔ ختمِ نبوت کے عملی تقاضے کی تکمیل کے لیے پاکستان حاصل کیا گیا تھا ۔ علامہ اقبال نے فرمایا تھا: ’’مَیں نے دنیا کے مسائل پر جہاں تک غور کیا‘ ان کا حل اسلامی شریعت کے سوا کہیں نظر نہیں آیا ۔‘‘ اب سوال پیدا ہوا کہ اسلامی شریعت کیسے نافذ ہوگی جب تک کہ ہمارے پاس اپنا آزاد خِطّہ نہ ہو ۔ اسی طرح قائداعظم نے فرمایا: ’’میرا ایمان ہے کہ پاکستان رسول اللہ ﷺ کا روحانی فیضان ہے ۔ اب ہمارا فرض ہے کہ خلافتِ راشدہ کے اصولوں کو سامنے رکھ کر عہدِ حاضر کی اسلامی فلاحی ریاست دنیا کے سامنے پیش کریں ۔‘‘ آج ہمارے جملہ مسائل اور مصائب کی بنیادی وجہ اس عہد سے روگردانی ہے ۔ ہم کچھ بھی کر لیں‘ ہمارے مسئلے حل ہوتے دکھائی نہیں دے رہے جب تک کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ وفاداری کی طرف لوٹ کر نہ جائیں ۔ اللہ تعالیٰ سے اسی بے وفائی کے نتیجہ میں ہم آدھا ملک کھو چکے ہیں ۔ آج بلوچستان اور کے پی کے میں آوازیں اُٹھ رہی ہیں تو سندھ میں بھی مسائل چل رہے ہیں ۔ رہ گیا پنجاب‘ تو اس کے ساتھ بھی کئی عوارض لگے ہوئے ہیں ۔ یہ تمام مسائل اور عوارض تب ہی ختم ہوں گے جب ہم اللہ سے کیے ہوئے وعدے کو پورا کریں گے ۔

بہت واضح احادیث ہیں کہ قبل از قیامت پورے کرۂ ارضی پر اللہ کا دین بالفعل قائم اور نافذ ہوگا‘ ان شاءاللہ! ایسا نہیں ہے کہ دیگر اقوام ختم ہو جائیں گی بلکہ حقیقت میں اسلام کا نظام سب پر غالب آ جائے گا ۔ موجودہ حالات میں شاید اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا ۔ بظاہر تمام طاقت اور ٹیکنالوجی باطل قوتوں کے پاس ہے ۔ اِس کی ایک مثال فلسطین میں دیکھی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں کی نسل کشی کے لیے بھوک کو بطور ہتھیار استعمال کیا جا رہا ہے اور ۵۷ مسلم ممالک کے دوا رب مسلمان کچھ نہیں کر پا رہے ۔

کسی بھی مسلمان‘ خصوصاً پاکستانی مسلمان کے لیے یہ بڑی خوش بختی کی بات ہے کہ اُس کے پاس ایک مکمل ضابطہ حیات قرآن حکیم کی صورت میں موجود ہے ۔ جب ہم قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں نماز کا حکم بھی ہے‘ روزہ‘ زکوٰۃ اور حج کا حکم بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جہاد کا حکم بھی نظر آئے گا ۔ یعنی جسے ایمانِ حقیقی کہتے ہیں‘ اس کی اصل شکل قرآن میں نظر آئے گی ۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ افضل جہاد اس شخص کا ہے جو اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرتا ہے اور اسے اللہ کا مطیع فرمان بنانے کی کوشش کرتا ہے ۔ جہاد کا آغاز اپنے نفس سے ہوگا اور یہی سب سے اہم مرحلہ ہوتا ہے ۔ جس طرز زندگی کے ہم عادی ہو چکے اس میں کوئی تبدیلی نہیں لانا چاہتے جبکہ دوسری طرف اللہ کی شریعت ہے ۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ’’اُس شخص کا تو ایمان ہی معتبر نہیں جس نے قرآن حکیم کی حرام کردہ شے کو اپنے لیے جائز اور حلال قرار دے دیا‘‘ ۔ لہٰذا سب سے پہلے جہاد اپنے نفس کے خلاف ہوگا اور اس کے لیے قرآن سے رہنمائی لینی ہوگی ۔ اس کو پڑھنا اور سمجھنا ہوگا اور پھر اس پر عمل کرنا ہوگا ۔ پھر اس راستے پر چل کر نہی عن المنکر کا فریضہ بھی ادا کرنا ہوگا ۔ لوگوں کی مخالفت اور تلخ باتیں برداشت کرنا ہوں گی ۔ کہیں تشدد اور نقصان بھی سہنا ہوگا ۔ ہوسکتا ہے دین کی گواہی دینے کے لیے جان کا نذرانہ پیش کرنے کی نوبت بھی آ جائے ۔ صحابہ کرام ؓ نے اسی طرز پر دین کی شہادت پیش کی تھی ۔ یہی اصل ’’دین‘‘ ہے ۔

❁❁❁

> قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں ۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے ۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں ۔

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ (۱)

مدرّس: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تمہیدی مباحث

سورتوں کے مابین نسبتِ زوجیت

آج ہم اللہ کے نام سے قرآن حکیم کی مدنی سورتوں کے سب سے پہلے گروپ کا آغاز کر رہے ہیں۔ تلاوت کے اعتبار سے قرآن حکیم کے سات احزاب یا منازل ہیں۔ اس کے علاوہ معنوی اعتبار سے سات گروپس کی تقسیم پر قبل ازیں (''تعارفِ قرآن'' کے ذیل میں) گفتگو ہو چکی ہے۔ ان میں سے ہر گروپ میں پہلے ایک یا ایک سے زائد مکی اور اس کے بعد ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتیں ہیں۔ پہلے گروپ کے آغاز میں مکی سورت سورۃ الفاتحہ ہے اور پھر مسلسل چار مدنی سورتیں شامل ہیں: البقرۃ، آل عمران، النساء اور المائدہ۔ اگرچہ حجم کے اعتبار سے ان میں سب سے بڑا گروپ تیسرا ہے جو تقریباً ساڑھے سات پاروں پر مشتمل ہے، اس لیے کہ اس میں سورۂ یونس تا سورۃ المؤمنون چودہ مکی سورتیں شامل ہیں، لیکن اس اعتبار سے کہ چار سب سے بڑی مدنی سورتیں یہاں پر یکجا آ رہی ہیں، اس پہلے گروپ کی ایک خصوصی اہمیت ہے۔ یہ چار مدنی سورتیں دو جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ سورۃ البقرہ اور سورۂ آل عمران ایک جوڑا ہے، سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ دوسرا جوڑا ہے۔

دو علیحدہ علیحدہ جوڑوں کے لیے سب سے اہم علامت یہ ہے کہ پہلی دونوں سورتیں سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران حروفِ مقطعات الٓمّٓ سے شروع ہو رہی ہیں، جبکہ اس کے بعد کی دونوں سورتیں سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ بغیر کسی تمہید کے، بغیر حروفِ مقطعات کے براہ راست شروع ہو جاتی ہیں۔ سورۃ النساء کا آغاز ہوتا ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ﴾ اور سورۃ المائدہ کا آغاز ہو رہا ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾۔ اس سے نمایاں ہو رہا ہے کہ دو دو سورتیں آپس میں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔

سورۃ البقرہ اور آل عمران بہت سے اعتبارات سے اہم ترین جوڑا ہیں، اور سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ سمیت خاص طور پر مدنی سورتوں کا یہ سب سے بڑا گلدستہ (cluster) ہے۔ تمام مدنی سورتوں کا کل حجم مجموعی طور پر قرآن حکیم کا تقریباً ایک تہائی بنتا ہے، دس پاروں سے قدرے کم۔ اُن میں سے سوا پانچ پارے انہی چار سورتوں پر مشتمل ہیں۔ گویا کہ نصف مدنی قرآن اِن چار سورتوں یا دو جوڑوں کی شکل میں مصحف کے بالکل آغاز میں آ گیا ہے۔ سورتوں کے ہر جوڑے کا ایک عمود ہوتا ہے جو مرکزی مضمون پر مشتمل ہوتا ہے، تاہم اس جوڑے کا عمود دُہرا ہے۔ یعنی دو مرکزی مضامین ہیں، اگرچہ وہ باہم مربوط ہیں۔ نمبر ایک شریعت اسلامی، شریعت محمدی ﷺ جس کا نقطۂ آغاز سورۃ البقرۃ ہے۔ تمام احکامِ شریعت کی ابتدائی صورتیں اس سورت میں موجود ہیں۔ شریعت کا نزول تدریجاً ہوا ہے، لہٰذا آخری احکام فوری طور پر ابتدا ہی میں نازل نہیں ہوئے۔ اوّل تو یہ کہ مکی دور میں بہت کم احکام آئے ہیں۔ مکی سورتیں جو کہ دو تہائی قرآن ہے، اس میں زیادہ تر ایمان کی بحثیں ہیں۔ کفار کے اعتراضات اور اُن کے جوابات ہیں، ردّ و قدح ہے۔ کچھ اخلاقی تعلیمات ہیں، وہ بنیادی انسانی اخلاقیات جن کے بارے میں کوئی اختلاف ممکن نہیں۔ مثلاً سچ بولنا، غریب کو کھانا کھلانا، ایفائے عہد وغیرہ۔ مکّی سورتوں کا تیسرا بڑا اہم مضمون انباء الرسل یعنی رسولوں کے حالات ہیں جو کہ بتکرار و اعادہ آئے ہیں۔ مکّی سورتوں میں احکام بہت کم آئے ہیں۔ بڑا بنیادی حکم نماز پڑھو، یا یہ کہ خرچ کرو، لیکن وہ بھی اس معنی میں نہیں کہ نظام زکوٰۃ عطا کیا گیا ہو، بلکہ اللہ کی خوشنودی کے لیے، اپنے تزکیے کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو، زیادہ تر غریبوں اور مساکین پر۔ یہ بھی گویا کہ بنیادی انسانی اخلاقیات سے متعلق ہے۔ جہاں تک احکامِ تشریعی کا تعلق ہے جن سے قانونِ شریعت بنتا ہے، اس کا

ابتدائی خاکہ (blue print) سورۃ البقرہ میں آیا ہے۔ پھر اس میں تدریجاً تبدیلیاں ہوتی رہیں اور ارتقائی مراحل طے ہوتے رہے۔ اس اعتبار سے سورۃ المائدہ تکمیل شریعت کی سورت ہے اور سورۃ البقرہ آغازِ شریعت کی سورت ہے۔ ویسے یہ کہ کچھ معاشرتی احکام سورۃ النور میں اور پھر آگے چل کر سورۃ الاحزاب میں بھی مل جائیں گے۔ مالِ غنیمت کا حکم سورۃ الانفال میں مل جائے گا۔ کچھ متفرق احکام دوسری جگہوں پر بھی مل جائیں گے۔ تاہم بحیثیتِ مجموعی یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ احکامِ شریعت کا گروپ ہے۔ اس میں شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ابتدائی خاکہ سورۃ البقرہ میں اور اس کی تکمیلی صورت سورۃ المائدہ میں ہے، جس کا زمانۂ نزول تقریباً ۷ ہجری ہے۔ گویا ۷ ہجری تک پہنچتے پہنچتے یہ تمام احکامِ شریعت اپنی تکمیلی صورت کو پہنچ گئے تھے۔

اس اعتبار سے پہلے گروپ کے عمود کے جزو اوّل کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس کا ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝﴾ سے براہِ راست تعلق ہے۔ سورۃ الفاتحہ اس گروپ کی واحد مکی سورت ہے اور اس کے آخر میں ہمیں یہ دعا تلقین کی گئی ہے جو کہ سلیم العقل اور سلیم الفطرت انسانوں کی ایک ضرورت ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝﴾ ہمیں راہنمائی عطا فرما' ہمیں ہدایت بخش سیدھے راستے کی۔ وہ سیدھا راستہ کون سا ہے؟ وہ شریعت کا راستہ ہے۔ ''شرع'' کے معنی درحقیقت راستے' طریقے اور قانون کے ہیں۔ راستے کے لیے شارع' طریق اور صراط کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس گروپ کے اندر اس دعا ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝﴾ کا جواب ہے جو ان چار سورتوں کے اندر (سورۃ البقرۃ تا سورۃ المائدۃ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو گیا ہے۔

اس گروپ کے عمود کا دوسرا حصہ اہلِ کتاب پر اتمامِ حجت ہے۔ اُس وقت اہلِ کتاب کے دو گروہ تھے جو قرآن کے براہِ راست مخاطب تھے: یہود اور نصاریٰ۔ سورۃ البقرہ میں زیادہ تر گفتگو یہود سے جبکہ سورۂ آل عمران میں زیادہ تر گفتگو نصاریٰ سے ہوئی ہے۔ سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ میں دونوں سے ملی جلی گفتگو ہے۔ قرآن مجید میں اہلِ کتاب کو ایمان لانے کی دعوت دی گئی اور اس حد تک دی گئی کہ اتمامِ حجت ہو گیا۔ ہر پہلو سے اُنہیں بات

سمجھا دی گئی۔ ہر اسلوب سے حقیقت کو واضح کر دیا گیا۔ ہر دلیل سے اس بات کو مبرہن کر دیا گیا۔ اُن پر ان کی اپنی کتابوں اور اُن کے اپنے اعتقادات کے حوالے سے حجت قائم کر دی گئی۔ ان کے اپنے انبیاء ورُسل علیہم السلام کی تعلیمات کا حوالہ دے کر بات کو واضح کر دیا گیا۔ گویا کہ ہر اعتبار سے قطعِ عذر ہو گیا کہ وہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے میں کوئی عذر رکھتے ہوں یا ان کے پاس کوئی بہانہ موجود ہو جو کسی درجے میں بھی valid (مؤثر) ہو۔ اسی کو اتمامِ حجت یعنی حجت قائم کر دینا کہتے ہیں۔ اس کے بعد کوئی ہٹ دھرمی کے ساتھ اَڑا رہے تو اَڑا رہے' مگر یہ کہ اُس کے پاس کوئی معقول سبب یا معقول عذر نہ رہے۔ چنانچہ اس گروپ کا اور اس اتمامِ حجت کا تعلق بھی گویا کہ سورۃ الفاتحہ ہی سے جڑا ہوا ہے۔

یہاں یہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ اگر مثبت طور پر ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہ﴾ کہہ دیا جاتا تو کافی ہو جاتا' لیکن منفی اعتبار سے بھی واضح کیا گیا: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾۔ اس پر تقریباً اجماع ہے کہ ''الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ'' سے بنی اسرائیل اور ''الضَّآلِّيْنَ'' سے نصاریٰ مراد ہیں۔ یہ گویا کہ اسی کی شرح ہو رہی ہے۔ چنانچہ عمود کا دوسرا حصہ سورۃ الفاتحہ کے ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾ سے متعلق ہے اور اس کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ یوں اس گروپ کے عمود کے دونوں اجزاء سورۃ الفاتحہ میں موجود ہیں۔ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝﴾ کا جواب یہ ہو گیا کہ راہنمائی کے لیے یہ شریعت موجود ہے۔ قوانین اور اوامر و نواہی موجود ہیں۔ یہ کرو' یہ نہ کرو' اس سے بچو' اس کا التزام کرو' یہی صراطِ مستقیم ہے۔ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾ کے حوالے سے یہود و نصاریٰ پر آخری اتمامِ حجت کر دیا گیا۔ اس اعتبار سے اس گروپ کے عمود کے دونوں رُخ ایک مکی سورت اور چار مدنی سورتوں میں زیرِ بحث آ گئے۔ اس طرح تصویر کے دونوں رُخوں میں مناسبت بہ تمام و کمال سامنے آ گئی۔

مدنی سورتوں کا پہلا جوڑا

سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران مدنی سورتوں کا پہلا جوڑا ہے۔ خود نبی اکرم ﷺ

نے ان دونوں کے لیے ایک لفظ کا اطلاق فرمایا ہے اور انہیں ’’اَلزَّھْرَاوَیْن ‘‘ قرار دیا ہے (حالتِ رفع میں الزَّھْرَاوَان اور حالتِ جری یا نصبی میں اَلزَّھْرَاوَیْن) ۔زَھْراء کہتے ہیں نہایت تابناک‘ روشن چیز کو۔ یہ لفظ حضرت فاطمہ ؓ کے نام کے ساتھ آتا ہے: فاطمۃ الزہراء۔ درحقیقت ان کے چہرے کا دمکتا ہوا انداز اور اس پر مستزاد نورِ روحانیت سے اس کی دمک میں جو اضافہ ہوا تو آپ فاطمۃ الزہراءؓ قرار پائیں۔ ’’الزھراء‘‘ سے تثنیہ کا صیغہ بنتا ہے: الزھراوان یا الزھراوین ۔حضور ﷺ نے ایک حدیث میں ان دونوں سورتوں کو اس ایک لفظ سے تعبیر کیا۔ اسی طرح آپؐ نے ان کے لیے غَمامتانِ، غَیایَتان، ظُلَّتان، حِزقان، فِرقان کے الفاظ بھی فرمائے۔ یہ چھ الفاظ احادیث میں وارد ہوئے ہیں کہ جن میں نبی اکرم ﷺ نے ان سورتوں کی مجموعی فضیلت بیان کی ہے اور ان دونوں کو ایک لفظ کے اندر بریکٹ کیا ہے۔ یہ حدیث مسلم شریف کی ہے اور اس کے راوی ابوامامہ باہلی ؓ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا:

((اِقْرَءُوا الْقُرآنَ، فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِاَصْحَابِہٖ))

’’لوگو! قرآن پڑھا کرو‘ اس لیے کہ یہ قیامت کے دن اپنے لوگوں کے لیے سفارشی بن کر آئے گا۔‘‘

یعنی ان لوگوں کے لیے جنہیں زندگی میں قرآن سے محبت رہی یا قرآن کو پڑھتے رہے‘ قراءت کرتے رہے‘ اس سے دلچسپی رکھتے رہے‘ اس کا مطالعہ کرتے رہے‘ اس پر غور و فکر کرتے رہے۔ اس کے بعد یوں سمجھیے کہ یہ عام پر خاص کا اضافہ ہے:

((اِقْرَءُوا الزَّهْرَاوَيْنِ: الْبَقَرَةَ وَ سُوْرَةَ آلِ عِمْرَانَ، فَإِنَّهُمَا تَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ، أَوْ كَأَنَّهُمَا غَيَايَتَانِ، أَوْ فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ، تُحَاجَّانِ عَنْ اَصْحَابِهِمَا))[1]

’’خاص طور پر دو نہایت تابناک اور روشن سورتوں البقرہ و آلِ عمران کی قراءت کیا کرو۔ اس لیے کہ یہ دونوں سورتیں قیامت کے روز اس حال میں آئیں گی گویا

کہ وہ دو بدلیاں ہوں‘ یا دو سائبان ہوں‘ یا پرندوں کی دو ٹکڑیاں ہوں جو صفیں باندھے ہوئے اُن لوگوں کے حق میں بحث و مباحثہ کریں گی جو ان سے خصوصی تعلق رکھنے والے ہوں گے۔‘‘

’’مُحَاجَّہ‘‘ ہوتا ہے کسی کی طرف سے بچاؤ کرنے میں‘ تکرار کے ساتھ بات کرنا‘ دلیل کے مقابلے میں دلیل دینا۔ جو بھی ان دونوں سورتوں سے خصوصی شغف رکھنے والے لوگ ہوں گے‘ ان دونوں سورتوں کو پڑھنے والے ہوں گے‘ ان سے محبت کرنے والے اور ان دونوں سے تعلق رکھنے والے ہوں گے‘ ان کی طرف سے وہ دفاع کریں گی‘ ان کی سفارش کریں گی۔ تو غَمامتانِ، غَیایَتانِ، فِرقانِ اور الزَّھْراوَینِ کے الفاظ اس حدیث کے اندر آ گئے ہیں۔

دوسری روایت بھی مسلم شریف کی ہے۔ حضرت نواس بن سمعان ؓ سے روایت ہے کہ مَیں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا:

((يُؤْتٰى بِالْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ أَهْلِهِ الَّذِيْنَ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بِهٖ، تَقْدُمُهٗ سُورَةُ الْبَقَرَةِ و آلُ عِمرَانَ))

’’لائے جائیں گے‘ قیامت کے دن قرآن بھی اور قرآن والے بھی جو اس پر عمل کرتے تھے (اللہ تعالیٰ ہمیں ان میں شامل فرما دے) سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران اُن کے آگے آگے چل رہی ہوں گی۔‘‘

وَضَرَبَ لَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةَ اَمْثَالٍ مَا نَسِيْتُهُنَّ بَعْدُ قَالَ: كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ ظُلَّتَانِ سَوْدَاوَانِ بَيْنَهُمَا شَرْقٌ، اَوْ كَاَنَّهُمَا حِزْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا))[2]

’’(اس کے بعد راوی حضرت نواس بن سمعان ؓ کہتے ہیں کہ) حضور اکرم ﷺ نے ان دونوں سورتوں کے لیے تین مثالیں بیان کیں‘ جن کو میں اب تک بھول نہیں سکا۔ آپؐ نے فرمایا: ’’(یہ دونوں سورتیں قیامت کے دن ایسے ظاہر ہوں گی) جیسے کہ دو بدلیاں ہیں‘ یا دو سیاہ رنگ کے سائبان ہیں (یعنی اپنے پڑھنے

والے اور محبت کرنے والوں پر سایہ کر رہی ہوں گی) اُن کے درمیان ایک روشنی ہوگی، یا جیسے وہ ایک سیدھ میں اڑنے والے پرندوں کی دو ٹولیاں ہیں، وہ اپنے صاحب (صحبت میں رہنے والے) کی طرف سے مدافعت کریں گی۔“

اگر دو بدلیاں ملی ہوئی ہوں اور ان کے درمیان کوئی خلا نہ ہو جس میں روشنی آ رہی ہو تو وہ دو علیحدہ نہیں ہوں گی۔ دو بدلیاں یا دو سائبان جن کے درمیان روشنی ہوگی، اس مثال سے واضح ہوا کہ ان کے اندر معنوی اعتبار سے تسلسل ہے، لیکن دونوں سورتیں علیحدہ ہیں۔ سورۃ البقرۃ علیحدہ ہے، سورۃ آل عمران علیحدہ ہے۔ یا حضور ﷺ نے ایسے تشبیہ دی کہ جیسے کبھی کبھی پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ آتے ہیں تو اس کی وجہ سے سایہ ہو جاتا ہے اور وہ دھوپ کو روک لیتے ہیں، سورج کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ تو وہ گویا کہ پروں کو پھیلا کر اڑنے والے پرندوں کی دو ٹکڑیوں کی مانند ہوں گی۔ اور یہ دفاع کریں گی، سفارش کریں گی، جھگڑا کریں گی اپنے لوگوں کی طرف سے، ان کی مدافعت کریں گی، ان کی وکالت کریں گی۔

سنن الترمذی میں اس روایت کے یہ الفاظ آئے ہیں:

((تَأْتِيَانِ كَأَنَّهُمَا غَيَابَتَانِ وَ بَيْنَهُمَا شَرْقٌ ، أَوْ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ سَوْدَاوَانِ، أَوْ كَأَنَّهُمَا ظُلَّةٌ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُجَادِلَانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا))[۳]

”وہ دونوں سورتیں آئیں گی، گویا کہ وہ دو چھتریاں ہیں، جن کے درمیان روشنی جھلک رہی ہوگی، یا وہ دونوں کالی بدلیاں ہیں، یا پھر وہ پرندوں کے جھنڈ کی طرح ہوں گی، جو پر پھیلائے ہوں گی، اپنے اصحاب کی طرف سے لڑ جھگڑ کر دفاع کریں گی۔“

ان تینوں احادیث سے ان دونوں سورتوں کی فضیلت ظاہر ہوئی اور ان کا جوڑا ہونا بھی ثابت ہوا۔ اس لیے کہ ان دونوں کو حضور ﷺ نے ایک نام سے بریکٹ کیا ہے۔ یاد رہے کہ آخری دو سورتوں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس دونوں کا مضمون ایک ہے، اِس لیے اِنہیں ”مُعَوَّذَتَین“ (جن کے ذریعے اللہ کی پناہ مانگی جاتی ہے) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ نے بڑے اہتمام کے ساتھ ان دونوں سورتوں کو ”الزَّهْرَاوَین“ کہہ کر ایک جوڑا قرار دیا ہے۔

”الزَّهْرَاوَین“ میں نسبتِ زوجیت کے وجوہ و اسباب

قرآن حکیم کی سورتوں کے اندر جو نسبتِ زوجیت ہے اُس کے دو پہلو ہوں گے۔ بعض اعتبارات سے ان کے درمیان مشابہت بہت نمایاں ہوگی اور بعض اعتبارات سے ایک معکوس (reciprocal) نسبت ہوگی، یا یوں کہہ لیں کہ تکمیلی (complementary) نسبت ہوگی کہ دونوں مل کر ایک مضمون مکمل کر رہی ہوں گی، یا ہو سکتا ہے کہ ایک مضمون کا ایک رُخ ایک سورت میں آ گیا ہو اور دوسرا رُخ دوسری سورت میں آ گیا ہو۔ زوجین میں دونوں چیزیں لازم ہیں۔ جیسا کہ حیوانات کے اندر ایک نوع کی دو جنسیں (مذکر، مؤنث) ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہوتی ہیں۔ شیر اور شیرنی کی اپنی ایک باہم مشابہت ہے۔ ننانوے فیصد تو ان کی شکل میں مشابہت نظر آئے گی۔ اسی طرح بیل اور گائے کا معاملہ ہے، لیکن بعض اعتبارات سے ان کا جسمانی نظام ایسا بنایا گیا ہے کہ وہ ایک مقصد کی تکمیل کر لیں۔ اس اعتبار سے فرق ہے لیکن وہ فرق ایسا نہیں ہے کہ جس کے مابین وحدتِ مقصد موجود نہ ہو۔ مقصد ایک ہی ہے۔ اسی طریقے سے سورتوں میں جب نسبتِ زوجیت تلاش کریں تو دو پہلو دیکھنے کو ملیں گے۔ ایک طرف تو مشابہت کے پہلو نمایاں ہونے چاہئیں۔ پھر کن اعتبارات سے یہ مل کر کسی مضمون کی تکمیل کر رہے ہیں، اور وہ کون سے پہلو ہیں کہ جن کا ایک رُخ ایک سورت میں آ گیا ہو اور دوسرا رُخ دوسری سورت میں۔ جب ہم ان سورتوں کا مطالعہ کریں گے تو یہ چیزیں تفصیل سے سامنے آئیں گی۔

اس وقت دونوں اعتبارات سے چند چیزیں نوٹ کر لیجیے۔ ظاہری مشابہت کے حوالے سے ایک بات بہت نمایاں ہے کہ سورۃ البقرہ بھی حروفِ مقطعات ”الٓمّٓ“ سے شروع ہو رہی ہے اور سورۃ آلِ عمران بھی۔ اس کے بعد پھر بیسویں پارے میں جا کر چار مکی سورتیں ملیں گی جو حروفِ مقطعات الٓمّٓ سے شروع ہو رہی ہیں۔ یعنی سورۃ العنکبوت، سورۃ الروم، سورۃ لقمان اور سورۃ السجدۃ۔ مدنی سورتوں میں یہ دو ہی سورتیں ہیں جو حروفِ مقطعات ”الٓمّٓ“ سے شروع ہو رہی ہیں۔

دوسری مشابہت یہ کہ ان دونوں کے آغاز میں قرآن حکیم کی عظمت کی طرف خصوصی

توجہ دلائی گئی ہے۔ سورۃ البقرۃ کا آغاز ہوتا ہے:

﴿الٓمّٓ ۝١ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝٢﴾

’’الف‘ لام‘ میم۔ یہ الکتاب ہے جس میں ادنیٰ شک نہیں ہے‘ اور متقین کے لیے سامانِ ہدایت ہے۔‘‘

حروفِ مقطعات ’’الٓمّٓ‘‘ کے فوراً بعد قرآن مجید کی عظمت اور اس کے ہدایت ہونے کی طرف راہنمائی ہے۔ اس سے بھی زیادہ شاندار اور پُرجلال انداز میں یہی مضمون سورۂ آل عمران میں آ رہا ہے:

﴿الٓمّٓ ۝١ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝٢ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝٣ مِنْ قَبْلُ
هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۭ﴾

’’الف‘ لام‘ میم۔ اللہ وہ معبودِ برحق ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں‘ وہ زندہ ہے سب کو قائم رکھنے والا ہے۔ (اے نبی ﷺ!) اللہ نے آپؐ پر یہ کتاب اُتاری ہے حق کے ساتھ جو تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے اُس کی جو اس کے سامنے موجود ہے‘ اور اُسی اللہ نے اُتاری تھی تورات اور انجیل‘ اس سے قبل لوگوں کے لیے ہدایت نامہ بنا کر‘ اور اُس نے ہی اُتارا ہے الفرقان۔‘‘

مشابہت کا تیسرا پہلو بہت نمایاں ہے جو اختتامِ سورت پر آتا ہے۔ سورۃ البقرہ کے اختتام پر ایک نہایت عظیم دعا آئی ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا
كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ
وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ﴾ (البقرۃ:۲۸۶)

’’اے ہمارے ربّ! ہماری پکڑ نہ کرنا اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا ہو جائے‘ اور اے ہمارے ربّ! ہم پر ویسا بوجھ نہ ڈال جیسا کہ تو نے ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے تھے۔ اور اے ہمارے ربّ! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈالنا جس کی ہم میں

طاقت نہ ہو۔ ہم سے درگزر فرماتا رہ‘ اور ہمیں بخشتا رہ اور ہم پر رحم فرما۔‘‘

اسی انداز سے‘ تھوڑے سے فرق کے ساتھ سورۂ آل عمران کے اختتام سے پانچ آیات پہلے عظیم دعا آئی ہے جو کئی آیات پر مشتمل ہے:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝١٩١ رَبَّنَآ اِنَّكَ
مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝١٩٢ رَبَّنَآ اِنَّنَا
سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا
ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝١٩٣ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا
عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝١٩٤﴾

’’اے ہمارے ربّ! تُو نے یہ سب کچھ بے مقصد تو پیدا نہیں کیا ہے‘ تُو پاک ہے (اس سے کہ کوئی عبث کام کرے) پس تُو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ اے ہمارے ربّ! بے شک جس کو تُو نے دوزخ میں ڈال دیا اُسے تو تُو نے رسوا کر دیا۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ اے ہمارے ربّ! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا‘ جو ایمان کی ندا دے رہا تھا‘ کہ ایمان لاؤ اپنے ربّ پر‘ تو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے اور ہمیں اپنے نیکوکار بندوں کے ساتھ موت دیجیو۔ اے ہمارے ربّ! ہمیں عطا فرما وہ سب کچھ جس کا تُو نے وعدہ کیا ہے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے سے‘ اور ہمیں رسوا نہ کیجیو قیامت کے دن۔ یقیناً تُو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔‘‘

حجم کے اعتبار سے یہ دونوں دعائیں تقریباً برابر ہیں‘ اگرچہ سورۃ البقرہ میں ایک ہی آیت ہے‘ جبکہ آل عمران میں متعدد آیات ہیں۔ دونوں نہایت جامع دعائیں ہیں اور نہایت عظیم آیات ہیں جن پر دونوں سورتوں کا اختتام ہو رہا ہے۔

نسبتِ زوجیت میں یہ جو تقسیم ہے کہ ایک ہی مضمون یا شے کے دو پہلو یا دو رُخ بیان ہو رہے ہوں‘ اور ان میں سے ایک پہلو ایک سورت میں آ رہا ہو اور ایک دوسری سورت میں‘ اس اعتبار سے چار چیزیں نوٹ کر لیجیے۔ سب سے نمایاں چیز یہ کہ سورۃ البقرۃ میں بنی

اسرائیل یعنی یہود کے بارے میں نہایت مفصل گفتگو ہوئی ہے‘ انہیں دعوت بھی دی گئی‘ اتمامِ حجت بھی کیا گیا اور ان پر فردِ جرم بھی عائد کر دی گئی۔

﴿یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ ......﴾

آیت ۴۰ سے آیت ۱۵۰ تک مسلسل بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے‘ جب کہ سورۂ آل عمران میں یہی معاملہ نصاریٰ کے ساتھ ہے۔ ان کی سب سے بڑی گمراہی تثلیث کا عقیدہ‘ الوہیتِ مسیحؑ کا عقیدہ اس کی بڑی تفصیل کے ساتھ نفی کی گئی ہے۔ گویا کہ یہ دونوں سورتیں مل کر ایک مضمون کی تکمیل کر رہی ہیں۔ دعوت اور اتمامِ حجت یہود پر سورۃ البقرۃ میں اور نصاریٰ پر سورۃ آل عمران میں۔

اسی طریقے سے انفاقِ مال یا جہاد بالمال پر جامع ترین اور نہایت مفصل مقام‘ نہایت تاکیدی حکم سورۃ البقرۃ میں آیا ہے‘ جبکہ قتال یعنی جہاد بالنفس‘ ہتھیلی پر جان لے کر میدان میں آنا‘ یہ مضمون بڑی شرح و بسط کے ساتھ سورۃ آل عمران میں آیا ہے۔ قرآن حکیم میں جہاد کا لفظ جہاں بھی آتا ہے‘ اس سے مراد جہاد بالمال والنفس ہوتا ہے۔

﴿وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ (التوبۃ:۴۱)

’’اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔‘‘

جہاد بالمال یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں‘ اُس کے دین کے غلبے کے لیے‘ اس کی دعوت کے لیے مال خرچ کرنا‘ اور اس جہاد کی بلند ترین شکل قتال ہے کہ اپنی جان لگا دینا۔ نقدِ جان ہتھیلی پر رکھ کر ایک شخص میدان میں آ گیا ہے‘ اپنی جان نثار کرنے پر تیار ہے۔ یہ گویا کہ ایک ہی مضمون ہے۔ جیسے اہل کتاب کو دعوت اور اتمامِ حجت کا مضمون دو حصوں میں تقسیم ہو گیا‘ یہود سورۃ البقرۃ میں اور نصاریٰ سورۂ آل عمران میں‘ اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ کا مضمون تقسیم ہو کر جہاد بالمال سورۃ البقرۃ میں اور جہاد بالنفس اور قتال فی سبیل اللہ سورۂ آلِ عمران میں بیان ہوا ہے۔

اسی طرح ذرا لطیف بات ہے کہ سورۃ البقرۃ میں زیادہ زور (emphasis) یقین وایمان پر ہے جبکہ سورۂ آل عمران میں زیادہ زور ’’اسلام‘‘ پر ہے۔ یہ بھی حقیقت کے

اعتبار سے ایک ہی شے ہے۔ ایمان ایک باطنی کیفیت ہے‘ یقین کی کیفیت جو دل کے اندر ہے اور انسان کے اسلام کا ظہور خارجی ہے۔ ایمان کی بنیاد پر انسان کے عمل میں جو روش ہو گی‘ اُس کا نام اسلام ہے۔ تاہم یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ان کو بالکل ایک شے بھی نہیں کہا جا سکتا۔ جیسے کہ سورۃ الحجرات میں آیا ہے:

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ﴾ (آیت ۱۴)

’’یہ بدو کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ (اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے: تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو‘ بلکہ تم یوں کہو کہ ہم مسلمان (اطاعت گزار) ہو گئے ہیں اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔‘‘

آپ دیکھیں گے سورۃ البقرہ میں:

﴿الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝۳ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝۴﴾

’’جو ایمان رکھتے ہیں غیب پر‘ اور نماز قائم کرتے ہیں‘ اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جو ایمان رکھتے ہیں اُس پر بھی جو (اے نبی ﷺ) آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے‘ اور اُس پر بھی (ایمان رکھتے ہیں) جو آپؐ سے پہلے نازل کیا گیا۔ اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔‘‘

پھر ۲۱ ویں رکوع میں سورت کے بالکل وسط میں آیتُ البر ہے:

﴿لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ﴾

’’نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دو‘ بلکہ نیکی تو اُس کی ہے جو ایمان لائے اللہ پر‘ یومِ آخرت پر‘ فرشتوں پر‘ کتاب پر اور نبیوں پر۔‘‘

پھر سورت کے آخر میں:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟﴾

''ایمان لائے رسول (ﷺ) اُس چیز پر جو نازل کی گئی اُن کی جانب اُن کے ربّ کی طرف سے اور مؤمنین بھی (ایمان لائے)۔ یہ سب ایمان لائے اللہ پر‘ اُس کے فرشتوں پر‘ اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر۔''

اب دیکھیے کہ سورۃ البقرہ کی ابتدا‘ وسط اور انتہا تینوں جگہوں پر ایمان کے بارے میں اہمیت کے ساتھ گفتگو ہو رہی ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں اسلام کے بارے میں یہی انداز نظر آئے گا:

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟﴾ (آیت ۱۹)

''یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔''

پھر آیت ۸۵ میں فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۸۵﴾

''اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو وہ اُس کی جانب سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور آخرت میں وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو کر رہے گا۔''

چنانچہ سورۃ البقرۃ میں زیادہ زور ایمان پر ہے جبکہ آل عمران میں زیادہ زور اسلام پر ہے۔

قرآن مجید میں ایمان کے بھی دو عملی مظاہر قرار دیے گئے ہیں۔ دل میں اگر ایمان موجود ہے تو اس کا ظہور جب انسان کے عمل میں ہوگا تو اس کے دو علیحدہ علیحدہ اہم مظاہر ہیں۔ ایک مظہر ہے نماز‘ روزہ‘ تقویٰ‘ خضوع وخشوع‘ ذکر کے اندر لذت‘ عبادات میں حلاوت۔ دوسرا مظہر ہے جہاد و قتال‘ اللہ کی راہ میں تکلیفیں اُٹھانا‘ صبر و مصابرت‘ ایثار و قربانی‘ میدان میں آنا‘ مقابلہ کرنا‘ باطل سے پنجہ آزمائی۔ ایمان کے نتیجے میں عمل کے یہ دو رُخ اور دو مظاہر ہیں۔ اس میں بھی تقسیم ہے۔ سورۃ البقرۃ کے آغاز میں متقین کی صفات بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵﴾

''یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے ربّ کی طرف سے ہدایت پر ہیں‘ اور یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔''

ایک رُخ یہاں بیان کر دیا گیا جبکہ دوسرا رخ سورۂ آلِ عمران میں آ رہا ہے۔ چنانچہ آیت ۱۹۵ اور ۲۰۰ اسی مضمون کو نمایاں کر رہی ہیں۔ فرمایا:

﴿فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝۱۹۵﴾

''سو جنہوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکال دیے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذائیں پہنچائی گئیں اور جنہوں نے (میری راہ میں) جنگ کی اور جانیں بھی دے دیں‘ مَیں لازماً اُن سے اُن کی برائیوں کو دور کر دوں گا اور لازماً داخل کروں گا انہیں ان باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور یہ بدلہ ہوگا اللہ کے پاس سے‘ اور بہترین بدلہ تو اللہ ہی کے پاس ہے۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۲۰۰﴾

''اے اہلِ ایمان! صبر کرو اور صبر میں اپنے دشمنوں سے بڑھ جاؤ اور مربوط رہو‘ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رکھو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

یہ ہے ایمان کا دوسرا مظہر جس کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اللہ کی راہ میں جنگ‘ تکلیفوں کا جھیلنا‘ گھر بار چھوڑ دینا‘ صبر و مصابرت‘ مصائب کو برداشت کرنا‘ قتل ہونا اور قتل کرنا بھی۔ سورۂ آل عمران کے اختتام پر یہ دوسرا پہلو آیا ہے اور سورۃ البقرۃ کے آغاز میں پہلا پہلو نظر آتا ہے۔ اسی کی ایک بہت نمایاں مثال سورۃ الانفال میں ہے جہاں دونوں پہلو جمع کر دیے گئے‘ لیکن اس طور سے کہ شروع میں سورۃ البقرہ والا پہلو ہے۔ مؤمنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ جب اللہ کا نام لیا جائے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں‘

قرآن کی آیات سن کر ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے‘ اپنے ربّ پر توکل کرتے ہیں‘ نماز قائم کرتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں۔ یہ ساری کیفیات بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ﴾ (آیات ۲ تا ۴)

’’یہی لوگ ہیں جو حقیقی مؤمن ہیں۔‘‘

آخر میں آیا کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی‘ مال وجان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا‘ اور وہ لوگ جنہوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی نصرت کی (انصار) ان کے بارے میں فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ﴾ ’’یہی ہیں حقیقی مؤمن۔‘‘ (آیت ۷۴)

معلوم ہوا کہ مؤمن کی شخصیت کے دو رُخ ہیں۔ دونوں کی تکمیل سے ایک مؤمن کی شخصیت کا ہیولیٰ صحیح طور پر سامنے آتا ہے‘ ورنہ وہ یک رُخا رہ جائے گا۔ ایک رُخ وہ ہے جو خانقاہوں میں نظر آتا ہے۔ وہاں جہاد وقتال اور اللہ کی راہ میں باطل سے پنجہ آزمائی نہیں ہے‘ لیکن مراقبے ہیں۔ وہاں بھی ظاہر ہے کہ مجاہدے تو ہوتے ہیں‘ نفس کُشی اور مخالفتِ نفس کے اندر مبالغے بھی ہوتے ہیں‘ لیکن دوسرا رُخ نہیں ہے۔ ایک رُخ یہ ہوسکتا ہے مردِ میدان تو ہو لیکن سوز کی اُس کیفیت سے خالی ہو جسے اقبال نے کہا ہے: ع ’’کبھی سوز و سازِ رومی کبھی پیچ و تابِ رازی!‘‘ اگر باطنی سوز نہیں‘ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت نہیں تو ایک کھوکھلی اور بے روح سی چیز ہے۔ یہ دونوں چیزیں مل کر درحقیقت بندۂ مؤمن کی شخصیت کی تکمیل کرتی ہیں۔ سورۃ البقرہ کے آغاز میں ایک رُخ نماز‘ زکوٰۃ‘ خشیت‘ تقویٰ‘ ایمان‘ آخرت کا یقین اور سورۂ آل عمران میں دوسرا رُخ جہاد وقتال‘ ہجرت‘ صبر ومصابرت آیا ہے۔ بعد میں تفصیل سے پڑھتے ہوئے یہ تصور نکھرتا چلا جائے گا کہ کس طرح یہ دونوں سورتیں مل کر ایک ہی مضمون کی تکمیل کرتی ہیں۔ ان دونوں سورتوں میں نسبت زوجیت کی ایک کامل مثال ہے۔ اس کے لیے سب سے بڑی دلیل حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ آپؐ نے ان دونوں سورتوں کو متعدد مشترکہ نام دیے اور یہ تمام الفاظ تثنیہ کے استعمال کیے‘ تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ دونوں سورتیں مل کر ایک مضمون کی تکمیل کرتی ہیں اور آپس میں ایک جوڑے کی نسبت رکھتی ہیں۔

سورۃ البقرۃ کی عظمت: حدیثِ نبویؐ کی روشنی میں

سورۃ البقرہ کی عظمت پر نبی اکرم ﷺ کی دو احادیث ملاحظہ کیجیے۔ دونوں کے راوی حضرت ابوہریرہ ؓ ہیں اور دونوں ترمذی شریف کی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامٌ ، وَ اِنَّ سَنَامَ الْقُرْآنِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ ، وَفِيْهَا آيَةٌ هِيَ سَيِّدَةُ آيِ الْقُرْآنِ، هِيَ آيَةُ الْكُرْسِيِّ))[۴]

’’ہر شے کی ایک چوٹی ہوتی ہے اور قرآن کی چوٹی سورۃ البقرۃ ہے۔ اس میں ایک آیت ہے جو تمام آیاتِ قرآنیہ کی سردار ہے اور وہ آیت الکرسی ہے۔‘‘

جیسے اونٹ کی ایک کوہان ہوتی ہے‘ ہر شے کا ایک نقطۂ عروج ہے‘ جسے انگریزی میں climax سے تعبیر کرتے ہیں‘ اور قرآن کی چوٹی سورۃ البقرہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آیت الکرسی عظیم ترین آیت ہے۔ اس کے بارے میں حضور ﷺ نے وہی بات فرمائی جو سورۃ الاخلاص کے بارے میں فرمائی۔ سورۃ الاخلاص کو حضور ﷺ نے ثُلُثُ القرآن (تہائی قرآن) قرار دیا اور آیت الکرسی کو رُبُعُ القُرآن (چوتھائی قرآن) قرار دیا ہے۔ اس اعتبار سے آیت الکرسی کی بڑی عظمت ہے۔

دوسری حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ، وَاِنَّ الْبَيْتَ الَّذِيْ تُقْرَأُ فِيهِ الْبَقَرَةُ لَا يَدْخُلُهُ الشَّيْطَانُ))[۵]

’’اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ بے شک وہ گھر کہ جس میں سورۃ البقرہ کی تلاوت کی جاتی ہو‘ اس میں شیطان داخل نہیں ہوسکتا۔‘‘

یہ گویا کہ اُس گھر کے لیے ایک حصار کا‘ دفاع کا اور حفاظت کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ جس گھر میں سورۃ البقرۃ کے پڑھنے کا اہتمام والتزام ہوتا ہو‘ بار بار اس کا چرچا ہوتا رہتا ہو تو شیاطین اس گھر سے بھاگتے ہیں۔

زمانۂ نزول

یہ سورۂ مبارکہ ۴۰ رکوع پر مشتمل ہے۔ آیات کے اعتبار سے ہمارے ہاں کے مصحف میں ۲۸۶ کا عدد ملے گا۔ تاہم مختلف قراءتوں کے لحاظ سے ایک اوپر یا ایک نیچے کا فرق ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک ۲۸۵ آیات شمار میں آتی ہیں اور بعض کے نزدیک ۲۸۷ بھی ہیں۔ البتہ ۲۸۶ کے عدد پر تقریباً اجماع ہے۔ واضح رہے کہ یہ صرف گنتی کا فرق ہے۔ ایسا نہیں کہ کسی آیت کے بارے میں اختلاف ہو کہ وہ قرآن کا حصّہ ہے یا نہیں۔ کہیں کسی جگہ پر ایک آیت کی گنتی ہو جاتی ہے اور کہیں نہیں ہوتی۔ متن میں ہرگز کوئی فرق نہیں ہے‘ الفاظ میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے۔

اتنی طویل سورت کے بارے میں اس بات پر اجماع ہے کہ یہ بیک وقت نازل نہیں ہوئی۔ بعض طویل سورتیں بھی ایسی ہیں جن کے بارے میں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیک وقت نازل ہوئیں۔ مثلاً سورۃ الانعام بڑی طویل سورت ہے‘ ۲۰ رکوعوں پر مشتمل ہے‘ سورۃ البقرہ کے نصف کے مساوی ہے۔ اس کے بارے میں روایات ہیں کہ یہ بیک وقت نازل ہوئی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام جب اُسے لے کر نازل ہوئے تو ۷۰ ہزار فرشتے اُن کے جلو میں تھے۔ یہ اس کی خاص شان ہے۔ البتہ سورۃ البقرۃ کے بارے میں تقریباً اجماع ہے کہ ہجرت کے فوراً بعد سے شروع ہو کر غزوۂ بدر سے پہلے پہلے تک قرآن کی جو آیات نازل ہو چکی تھیں اُن سب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سورۂ مبارکہ کی شکل میں جمع کرایا۔ یہ تقریباً دو سال کا وقفہ بنتا ہے۔ اس عرصے کے دوران وقتاً فوقتاً جو آیات نازل ہوتی رہیں ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما دیتے کہ اِس کو فلاں آیت کے بعد رکھو‘ اس کو فلاں آیت کے بعد۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی زیرِ ہدایت‘ آپؐ کی اپنی حیاتِ دنیاوی کے دوران پورا قرآن مرتب ہو گیا تھا۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ترتیبِ نزولی اور ہے‘ ترتیبِ مصحف اور ہے۔

اندازہ یہ ہوتا ہے کہ سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی غزوۂ بدر سے قبل نازل ہوئی۔ سورۂ محمد کا دوسرا نام سورۃ القتال بھی ہے۔ گویا کہ اس میں قتال کی فرضیت بھی آ گئی۔ اس اعتبار سے

سورۃ البقرہ اور سورۃ محمد دونوں کو جمع کر لیجیے تو قرآن مجید کا یہ وہ حصّہ ہے جو ہجرت کے بعد سے غزوۂ بدر سے پہلے تک نازل ہوا۔ البتہ کچھ ایسی آیات ضرور ہیں جو اس زمانے میں نازل نہیں ہوئیں۔ چنانچہ سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات کو مکیات کہا جا سکتا ہے‘ اس لیے کہ یہ ہجرت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہو گئیں۔ ان کی خصوصی شان یہ ہے کہ بقیہ قرآن تو لوحِ محفوظ سے زمین پر نازل ہوا‘ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصول کیا جب کہ آپؐ زمین پر تھے‘ لیکن یہ دو آیات عطا ہوئی ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شبِ معراج کے موقع پر خود آسمانوں پر تشریف لے گئے تھے۔ یہ اُمّت کے لیے عظیم ترین تحفہ ہیں جو شبِ معراج کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ ان کے علاوہ بھی کچھ آیات خاص طور پر جو سود کی حرمت کے متعلق ہیں‘ ان کے بارے میں بالاجماع ہمیں یہ معلوم ہے کہ یہ آیات ۹ ہجری میں نازل ہوئیں۔ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر ہوا‘ تو اس اعتبار سے وہ سود والی آیات ۷ سال بعد کی ہیں لیکن ان کو بھی مضمون کی مناسبت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ البقرہ میں مناسب مقام پر شامل کیا۔ اس طرح کے استثناءات شاید اور بھی ہوں لیکن شاذ کے درجے میں ہوں گے۔ البتہ استثناءات قانون کی توثیق کرتے ہیں (Exceptions prove the rule)۔ بحیثیتِ مجموعی یہ کہا جائے گا کہ سورۃ البقرۃ سب سے پہلی مدنی سورت ہے‘ یعنی ہجرت کے بعد سے غزوۂ بدر سے متصلاً قبل تک اس کا زمانۂ نزول ہے۔

مضامین کا اجمالی تجزیہ

اس سورۂ مبارکہ کے مضامین کا تجزیہ بھی اپنی جگہ پر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اگر اس تجزیے کے حوالے سے ان مضامین کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کی جائے تو بڑی سہولت حاصل ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے کہ اس کے ضمن میں اُس نے میرے ذہن کو بعض ایسی تشبیہات کی طرف منتقل کر دیا کہ ان کے حوالے سے اس کے مضامین کو یاد رکھنا‘ ذہن نشین کرنا اور سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کے لیے میں نے ایک نام تجویز کیا ہے:

سُورۃُ الاُمَّتَین۔ یہ بھی تثنیہ کا صیغہ ہے۔ یہ دو اُمّتوں کی سورت ہے۔ مجھے یہ جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ جیسے کہ ہم سورۃ الفاتحہ کے بارے میں حدیث پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((قَسَمْتُ الصَّلَاۃَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ نِصْفَیْنِ ، وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ))
(صحیح مسلم، ح۳۹۵)

’’مَیں نے نماز کو (سورۃ الفاتحہ جو اصل نماز ہے اسے) اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو برابر نصفین میں تقسیم کر دیا ہے‘ اور مَیں نے اپنے بندے کو دیا جو اُس نے مجھ سے مانگا۔‘‘

اسی طرح اس سورۃ کو بھی اللہ تعالیٰ نے گویا دو نصف حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس کے نصف اوّل میں تمام تر خطاب سابقہ اُمّتِ مسلمہ یعنی بنی اسرائیل سے ہے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ بحیثیت اُمّتِ مسلمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام پر بالقوۃ (potentially) ختم ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہود ایک قوم کی حیثیت سے‘ ایک نسل کی حیثیت سے اب بھی پائے جاتے ہیں اور حضور ﷺ کے زمانے میں بھی موجود تھے‘ لیکن اُمّت کے اعتبار سے ان کا دَور درحقیقت ۱۳ سو قبل مسیح سے شروع ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام پر آ کر ختم ہو گیا تھا جب انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت کو ماننے سے نہ صرف انکار کیا‘ بلکہ اپنے بس پڑتے انہیں سولی پر چڑھا دیا۔ اس اعتبار سے وہ اسی وقت معزول ہو چکے تھے‘ لیکن ان کی معزولی کے فیصلے کا ظہور ہوا محمد عربی ﷺ کی بعثت پر۔

اس سورۂ مبارکہ کے دوسرے حصے میں موجودہ اُمّتِ مسلمہ سے خطاب ہے جن کی تاریخ ۱۴۰۰ برس کی ہو گئی ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے نزول کے وقت گویا یہود کی معزولی کا اعلان ہو رہا ہے۔ چنانچہ پہلے نصف میں اکثر و بیشتر براہِ راست انہی سے خطاب ہے اور باقی میں روئے سخن ان ہی کی طرف ہے‘ چاہے براہِ راست خطاب ان سے نہ ہو۔ دوسرے حصے میں کُل کا کُل خطاب موجودہ اُمّتِ مسلمہ یعنی اُمّتِ محمد ﷺ سے ہے۔ سورۃ البقرہ کے نصفِ اوّل میں آیات ۱۵۲ ہیں جبکہ نصفِ ثانی میں آیات ۱۳۴ ہیں‘ کُل

۲۸۶ آیات۔ البتہ یہ جو فرق نظر آ رہا ہے اس کو تعدادِ رکوعات compensate کر رہی ہے۔ ۱۵۲ آیات ۱۸ رکوعوں میں‘ جبکہ ۱۳۴ آیات ۲۲ رکوعوں میں ہیں۔ گویا کہ بعد والی آیات کا حجم زیادہ تر بڑا ہے کہ وہ ۲۲ رکوعوں میں پھیلی ہوئی ہیں اگرچہ تعداد کے اعتبار سے کم ہیں۔

اب ان میں جو مزید تقسیم ہے اسے اگر اس وقت ذہن نشین کر لیں تو ایک ایک حصے سے گزرتے ہوئے پورے سلسلۂ درس کے ساتھ ہماری ایک ذہنی ہم آہنگی رہے گی۔ پہلے ۱۸ رکوعوں میں تقسیم عمودی (vertical) ہے: پہلے ۴ رکوع‘ درمیانی ۱۰ رکوع‘ آخری ۴ رکوع۔ درمیان کے ۱۰ رکوعوں میں گفتگو براہِ راست بنی اسرائیل سے ہے:

﴿یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا بِعَھْدِیْٓ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ ۚ وَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ ۴۰﴾ (البقرۃ)

’’اے بنی اسرائیل! یاد کرو میرے اُس انعام کو جو مَیں نے تم پر کیا‘ اور تم میرے وعدے کو پورا کرو تاکہ میں بھی تمہارے وعدے کو پورا کروں‘ اور صرف مجھ ہی سے ڈرو!‘‘

یہاں پانچویں رکوع سے بات شروع ہوئی ہے اور پھر پندرھویں رکوع کے شروع میں:

﴿یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۱۲۲﴾ (البقرۃ)

’’اے اولادِ یعقوب! یاد کرو میرے اُس انعام کو جو مَیں نے تم پر کیا‘ اور یہ کہ میں نے تمہیں فضیلت دی تھی اہل عالم پر۔‘‘

وہاں جا کر وہ بات مکمل ہوئی۔ پورے ۱۰ رکوع مسلسل بنی اسرائیل سے خطاب ہے۔

پہلے ۴ رکوعوں کو ہم تمہیدی کہہ سکتے ہیں۔ ان میں براہِ راست بنی اسرائیل سے خطاب شروع نہیں ہوا۔ ایک اعتبار سے پہلے ۴ رکوع تمہیدی یوں بھی ہیں کہ وہ پورے قرآن کے لیے گویا دیباچہ بن جاتے ہیں۔ پہلے ۲ رکوعوں میں تین قسم کے انسانوں کی تقسیم ہے۔ ایک وہ جو اس قرآن سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں یا جنہوں نے اس قرآن سے

فائدہ اُٹھایا ہے۔ دوسرے وہ کہ جن پر ہدایت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ لاکھ سمجھا دیا جائے‘ وہ اَب ماننے والے نہیں۔ تیسرے وہ جو بین بین ہیں‘ کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں لیکن حقیقت میں نہیں مانتے۔ یہ تین قسم کے افراد اُس وقت بالفعل موجود تھے۔ ان تینوں میں سے تیسری قسم درحقیقت اہلِ کتاب یہودِ مدینہ کی تھی۔ لہٰذا سب سے زیادہ تفصیل تیسری قسم کی بیان ہوئی ہے‘ اس لیے کہ سارا روئے سخن ان ہی کی طرف ہے‘ اگرچہ دوسری قسم کے اندر بھی ان کا جزو شامل ہے۔ البتہ ایک اعتبار سے یہ چار رکوع ابدی اہمیت کے حامل ہیں کہ گویا ان میں بیان کیا جا رہا ہے کہ کون لوگ ہیں جو قرآن کی ہدایت سے فائدہ اُٹھا سکیں گے‘ کون لوگ ہیں کہ جن پر اس قرآن کی ہدایت کا دروازہ بند ہے‘ اور کون وہ ہیں جو کچھ بین بین ہیں۔ کچھ فائدہ اٹھا بھی لیتے ہیں‘ تھوڑا بہت چل بھی لیتے ہیں‘ لیکن پھر ٹھٹھک کر کھڑے ہو جاتے ہیں‘ ہمت جواب دے جاتی ہے۔

دنیا میں کسی بھی دعوت کے ردّعمل کے طور پر یہ تین قسم کے لوگ ہمیشہ سے رہے ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور ہرچہ بادا باد اپنے آپ کو پورے طور پر اس کے رنگ میں رنگ دیا اور اس کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو اَڑ گئے۔ ہٹ دھرمی‘ دشمنی‘ عناد اور تعصب کی وجہ سے رُک گئے ہیں کہ کوئی دلیل‘ کوئی گواہی‘ کوئی استدلال اُن کے لیے مفید نہیں ہوتا۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو ایک درجے میں کسی حد تک مان تو لیتے ہیں لیکن یہ کہ پورے طور سے ماننا اور اپنے آپ کو اس دعوت سے وابستہ کر لینا‘ یہ جرأت ان کے بس کا روگ نہیں ہوتی۔ یہ تین قسم کے لوگ ہمیشہ تھے‘ ہمیشہ رہیں گے۔ اس اعتبار سے یہ بات گویا کہ آفاقی سچائی (universal truth) کے درجے میں ہے‘ لیکن ان کے پردے میں روئے سخن یہود کی طرف ہے۔ اس اعتبار سے بھی وہ نصف اوّل کے مضامین میں شامل ہیں۔ باقی رکوع ۳‘ ۴ میں دین کی بنیادی تعلیم ہے۔

سورۃ البقرہ کے نزول کے وقت قرآن کا دوتہائی حصّہ تو نازل ہو چکا تھا جبکہ اس سورت کو قرآن مجید کے بالکل شروع میں رکھا گیا ہے۔ دین کی جو بنیادی تعلیمات ہیں‘ جو فلسفہ ہے‘ جو حکمت دین ہے وہ تو پورے کا پورا سورت کے نزول سے پہلے مکّی قرآن کی

صورت میں نازل ہو چکا تھا‘ تو اب حکمت خداوندی کا تقاضا ہوا کہ اُس دوتہائی قرآن کی بنیادی تعلیمات کا خلاصہ اس سورۃ کے آغاز میں رکھ دیا جائے کہ جب ایک عام قاریٔ قرآن اس سورت کو پڑھ رہا ہو تو اس کے سامنے مکّی قرآن کے مضامین کا خلاصہ آ جائے‘ پھر وہ آگے بڑھے۔ لہٰذا سورۃ البقرہ کے ابتدائی ۴ رکوع اس اعتبار سے تمہیدی ہیں۔ پھر ۱۰ رکوعوں (۵ تا ۱۴) میں بنی اسرائیل سے خطاب ہے۔ آخری چار رکوعوں میں یہ تحویل (transition) کہ اُمّتِ مسلمہ کے مقام و منصب سے بنی اسرائیل کو معزول کر کے اُمّتِ محمد ﷺ کو اس پر فائز کیا جا رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک نسل (بنی اسرائیل) جن کو اللہ تعالیٰ نے ’’اُمّتِ مسلمہ‘‘ کا مقام و منصب عطا کیا ہوا تھا‘ ان سے وہ منصب چھین کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل کی دوسری شاخ (یعنی بنی اسماعیل) کو یہ منصب عطا کیا جا رہا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ ﷺ پر جو لوگ ایمان لائے تو ان سے ایک نئی اُمّت وجود میں آئی۔ اب ان کو اس مقام پر کھڑا کیا جا رہا ہے اور یہ منصب ان کو عطا کیا جا رہا ہے۔ اس حوالے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ خود نقطۂ جامع ہیں‘ جہاں ان دونوں اُمتوں کا سلسلہ جا کر ملتا ہے‘ اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر‘ تعمیر کعبہ کا ذکر‘ پھر تحویل قبلہ یعنی مسلمانوں کا قبلہ کعبۃ اللہ کو قرار دینا گویا کہ علامت ہے اس کی کہ سابق قبلے والے یعنی یہود جن کا قبلہ بیت المقدس رہا‘ اب وہ معزول کر دیے گئے ہیں۔ اب اس کعبہ کے گرد ایک نئی اُمّت‘ اُمّتِ محمد ﷺ وجود میں آ گئی ہے اور اس کو اُمّتِ مسلمہ کے مرتبے پر فائز کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد جو بقیہ ۲۲ رکوع ہیں اُن میں براہِ راست اُمّتِ مسلمہ سے خطاب شروع ہوا۔ گویا کہ تحویلِ قبلہ ایک طرح کی تاج پوشی (coronation) تھی کہ اب اُمّتِ مسلمہ اس مقام پر فائز کر دی گئی۔

اُمّتِ مسلمہ سے اس خطاب میں بظاہر مضامین گڈمڈ نظر آتے ہیں۔ ابھی نماز کا ذکر ہو رہا تھا‘ آگے جہاد کا ذکر شروع ہو گیا‘ ابھی کوئی اور بات آ گئی‘ تو مضامین میں بظاہر کوئی تسلسل نہیں ہے۔ اس کے لیے یہ تمثیل و تشبیہ بڑی خوب صورت ہے کہ ایک ایسی رسّی کا

تصور کریں جو چار لڑیوں سے بٹی ہوئی ہے اور ان لڑیوں کے رنگ جدا جدا ہیں‘ مثلاً سفید‘ سرخ‘ نیلی‘ سبز یا پیلی۔ جب ان چاروں لڑیوں کو باہم بٹ دیا جائے گا تو کوئی رنگ بھی مسلسل نظر نہیں آئے گا‘ سارے رنگ کٹے پھٹے نظر آئیں گے۔ ایک طرف سفید ہے‘ پھر سرخ‘ پھر نیلا‘ پھر کوئی اور رنگ۔لیکن اگر ان لڑیوں کو کھول دیں تو معلوم ہوگا کہ ہر لڑی سیدھی ہے‘ مسلسل ہے۔سفید ڈوری بھی سیدھی ہے‘ نیلی بھی سیدھی ہے۔اس اعتبار سے یہ چار لڑیاں ہیں جو باہم آپس میں ایک رسّی کی شکل میں بٹی ہوئی ہیں۔ان کو بھی دو دو کے دو جوڑوں میں سمجھیے۔ایک ہیں احکامِ شریعت یعنی یہ کرو‘ یہ نہ کرو! اور ایک ہے جہاد فی سبیلِ اللہ۔ پھر پہلے کے بھی دو حصے ہیں۔ احکامِ شریعت میں ایک حصّہ عبادات اور دوسرا حصّہ معاملات پر مشتمل ہے۔دوسری طرف جہاد میں ایک حصّہ جہاد بالمال ہے اور دوسرا حصّہ قتال یعنی جہاد بِالنفس ہے۔ یہ جو چار لڑیاں ہیں‘ ایک لڑی میں عبادات اور دوسری لڑی میں معاملاتِ انسانی سے متعلق احکام ہیں۔تیسری لڑی میں انفاق فی سبیل اللہ یعنی جہاد بالمال اور چوتھی لڑی میں قتال فی سبیل اللہ یا جہاد بالنفس ہے۔ان چاروں لڑیوں کو اس طریقے سے بٹ دیا گیا ہے کہ یہ ایک رسّی کی شکل اختیار کر گئی ہیں کہ یہ چاروں مضامین ایک دوسرے کے بعد مختلف وقفوں سے آ رہے ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ ان سب میں خطاب اُمّتِ مسلمہ سے ہے۔اس اعتبار سے اب ان میں جو polarization اور چار مضامین کی تقسیم ہے وہ عمودی (vertical) نہیں بلکہ افقی (horizontal) ہے۔ چاروں لڑیاں آپس میں بٹے ہونے کی وجہ سے بظاہر کٹی پھٹی نظر آ رہی ہیں لیکن مضامین میں ایک معنوی تسلسل ہے۔سورۃ البقرۃ کے مضامین کا تجزیہ اس ترتیب سے واضح ہوتا ہے:

نصفِ اوّل	نصفِ ثانی
۱۸ رکوع‘ ۱۵۲ آیات پر مشتمل بنی اسرائیل سے براہِ راست خطاب (سوا دس رکوعوں میں)	۲۲ رکوع‘ ۱۳۴ آیات پر مشتمل اُمّتِ مسلمہ سے خطاب

پہلے ۴ رکوع (۱‘۲‘۳‘۴) تمہیدی ہیں‘ جن میں قرآن کے تعارفی مضامین آ گئے ہیں۔

رکوع ۱‘۲	رکوع ۳‘۴
تین اقسام کے لوگ	مکی قرآن سے بنیادی تعلیمات کا خلاصہ

رکوع ۵ تا ۱۴: براہِ راست یہود سے خطاب

رکوع ۱۵ تا ۱۸: تحویلی —— سابقہ اُمّت معزول۔موجودہ اُمّت منصوب

نصفِ ثانی میں ۴ مضامین کی لڑیاں:

(۱) احکامِ عبادات

(۲) احکامِ معاملات

(۳) جہاد بالمال

(۵) جہاد بالنفس (قتال)

(جاری ہے)

حواشی

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب فضائل القرآن وما یتعلق بہ‘ باب فضل قراءۃ القرآن وسورۃ البقرۃ‘ ح ۸۰۴۔ مشکاۃ المصابیح‘ کتاب فضائل القرآن‘ ح ۲۱۲۰۔

(۲) صحیح مسلم‘ کتاب فضائل القرآن وما یتعلق بہ‘ باب فضل قراءۃ القرآن وسورۃ البقرۃ‘ ح ۸۰۵۔

(۳) سنن الترمذی‘ کتاب فضائل القرآن‘ باب سورۃ آل عمران‘ ح ۲۸۸۳۔ علامہ الالبانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ صحیح الترمذی‘ ح ۲۳۱۲۔

(۴) سنن الترمذی‘ کتاب فضائل القرآن‘ باب فضل سورۃ البقرۃ وآیۃ الکرسی‘ ح ۲۸۷۸۔ اضافی حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہو مشکاۃ المصابیح‘ ح ۲۱۷۹۔

(۵) سنن الترمذی‘ کتاب فضائل القرآن‘ باب فضل سورۃ البقرۃ وآیۃ الکرسی‘ ح ۲۸۷۷۔ صحیح مسلم‘ ح ۱۸۲۴۔

اطاعتِ رسول ﷺ کی اہمیت

حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾ (الحشر:۷)

”سو جو چیز تم کو پیغمبرؐ دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔“

یہاں اسلامی زندگی کا ایک بنیادی اصول دیا گیا ہے کہ جو کچھ رسول ﷺ تمہیں عطا کریں اسے خوش دلی سے قبول کرلو اور جس چیز سے روک دیں‘ اس سے رک جاؤ۔ رسول ﷺ جو کچھ تمہیں بتا رہے ہیں وہ سب کا سب دین ہے۔ وہ اللہ کا فیصلہ اور اُس کا حکم ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کوئی بھی بات اپنی طرف سے نہیں فرماتے‘ بلکہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ اللہ ہی کے اِذن سے ہوتا ہے۔ ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ③ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ④﴾ (النجم) ”اور نہ خواہشِ نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ تو اللہ کا حکم ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔“ اللہ کے نبی ﷺ کی بات بھی وحی کی بنیاد پر ہوتی ہے‘ اگرچہ وہ وحی غیر متلو ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ رسولِ خدا ﷺ نے جو حکم دیا ہے یہ قرآن میں کہاں آیا ہے! کسی کو بھی یہ پوچھنے کا اختیار نہیں ہے۔ جس ہستی نے قرآن نازل کیا ہے‘ اُسی نے حضور ﷺ کو یہ اتھارٹی عطا فرمائی ہے کہ آپؐ کی اطاعت کی جائے‘ اس لیے کہ آپؐ کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ (النساء:۶۴) ”اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اسی لیے کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے۔“ ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ (النساء:۸۰) ”جو شخص رسولؐ کی فرماں برداری کرے گا تو بے شک اُس نے اللہ کی فرماں برداری کی۔“

رسول (معاذ اللہ!) ڈاک کا ہرکارہ نہیں ہوتا‘ جیسے کہ آج کل منکرین حدیث کے ہاں تصور پایا جاتا ہے‘ بلکہ اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے‘ جس کی اطاعت لازم ہے۔ انکارِ حدیث کا فتنہ ہمارے ہاں سرسید احمد خان ہی کے دور سے شروع ہوگیا تھا۔ بعدازاں یہ فتنہ بڑھتا رہا۔ غلام احمد پرویز کی صورت میں یہ کھل کر سامنے آیا۔ آج اسی کا ظہور ہم ایک ”جدید سکالرز“ کی شکل میں دیکھ

رہے ہیں جو حدیث اور سُنّت کو اُس کا اصل مقام دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے دین کی عجیب وغریب تعبیرات کر رہے ہیں۔ داڑھی کے بارے میں پوچھیں تو کہہ دیں گے کہ داڑھی کا قرآن میں ذکر نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ (معاذ اللہ!) جو چیز قرآن میں نہیں ہے‘ اس کا دین میں کوئی مقام نہیں ہے۔ کیا حضور ﷺ کے اقوال‘ آپؐ کا عمل‘ آپؐ کی تائید دین نہیں ہے؟ اگرچہ اطاعت اصلاً اللہ تعالیٰ کی ہے جو ربّ العالمین ہے‘ مالک الملک اور خالق وآقا ہے‘ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندے کو کامل اتھارٹی کے ساتھ اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا‘ تو اب کسی کے لیے یہ گنجائش نہیں ہے کہ اللہ کے نمائندے کی بات کو حجت تسلیم نہ کرے۔ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ خود یہ کہتا ہے کہ میرا نمائندہ جو کچھ کہے وہ میری ہی طرف سے ہوتا ہے‘ تو پھر اُس کی اطاعت میں کوئی شبہ نہ رہا۔

اِس آیت کی تشریح ایک حدیث سے ہوتی ہے‘ جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مَیں جس کام سے تم کو روک دوں اس سے رک جاؤ‘ اور جس کام کا حکم دوں اس کو اپنی استطاعت کے مطابق بجالاؤ (اس پر عمل کرو)۔“ (صحیح مسلم) یعنی مجھے یہ اتھارٹی اللہ نے دی ہے۔ لہٰذا میں جس چیز کا حکم دوں وہی دین ہے‘ اس کو تھام لو‘ اور جس سے روک دوں اس سے باز آ جاؤ۔ چنانچہ اس سلسلہ میں عہدِ صحابہؓ کا ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے گودنے والیوں‘ گدوانے والیوں‘ (سفید بال) نوچنے والیوں‘ خوبصورتی کے لیے دانتوں کی جھریاں بنانے والیوں اور تخلیقِ خداوندی کو بدلنے والیوں پر لعنت بھیجی ہے۔“ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کی اطلاع بنی اسد کی ایک عورت کو پہنچی تو وہ آ کر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے کہنے لگی: مجھے خبر پہنچی ہے کہ آپ نے ایسی ایسی عورت پر لعنت کی ہے۔ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”مَیں ایسی عورتوں پر لعنت کیسے نہ کروں‘ اللہ کے رسول ﷺ نے جن پر لعنت کی ہے اور جو کتاب اللہ کے حکم کے مطابق بھی ملعون ہیں!“ اس عورت نے کہا: دونوں لوحوں کے درمیان جو کتاب موجود ہے میں نے وہ (ساری) پڑھی۔ اس میں تو مجھے کہیں نہیں ملا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اگر تم نے قرآن کو (بغور) پڑھا ہوتا تو تمہیں (یہ حکم) مل جاتا۔ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾“ عورت نے کہا: کیوں نہیں! (یہ آیت تو میں نے پڑھی ہے)۔ فرمایا: ”تو اللہ کے رسولؐ نے (ایسا کرنے کی) ممانعت کر دی ہے۔“ (صحیح بخاری)

وہ عورت بغاوت کرنے والی نہیں تھی' جیسا کہ آج پوری دنیا میں عورتوں کو ایک باغیانہ کردار دے دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے کوئی بحث ومباحثہ نہ کیا اور بات فوراً قبول کر لی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے ایک شخص کو احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو حکم دیا کہ یہ کپڑے اُتار دو۔ اس شخص نے کہا کہ آپؓ اس کے متعلق مجھے قرآن کی کوئی آیت بتا سکتے ہیں جس میں سلے ہوئے کپڑوں کی ممانعت ہو۔ حضرت ابنِ مسعود ؓ نے فرمایا: ہاں وہ آیت میں بتاتا ہوں۔ پھر یہی آیت وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ پڑھ کر سنا دی۔ امام شافعی ؒ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب قرآن سے دے سکتا ہوں' پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک مُحرِم نے زنبور (بھڑ) مار ڈالا تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام شافعیؒ نے یہی آیت وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ تلاوت کر کے حدیث سے اس کا حکم بیان فرما دیا۔ (قرطبی)

اس آیت کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں: ''یہاں رسول کا یہ درجہ جو واضح فرمایا گیا ہے کہ جو کچھ وہ دے وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ' اگرچہ اس کا ایک خاص محل ہے لیکن اس سے جو حکم مستنبط ہوتا ہے وہ بالکل عام ہوگا۔ یعنی زندگی کے ہر معاملے میں رسول ﷺ کے ہر حکم ونہی کی بے چون وچرا تعمیل کی جائے گی۔ اس لیے کہ رسول کی حیثیت جیسا کہ قرآن میں تصریح ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے ایک واجب الاطاعت ہادی کی ہوتی ہے۔ فرمایا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (النساء: ۶۴) ''اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔'' گویا اس ٹکڑے کے دو مفہوم ہوں گے: ایک خاص' دوسرا عام۔ اپنے خاص مفہوم کے پہلو سے یہ اپنے سابق مضمون سے مربوط ہوگا اور اپنے عام مفہوم کے اعتبار سے اس کی حیثیت اسلامی شریعت کے ایک ہمہ گیر اصول کی ہوگی۔''

سورۃ الحشر کی مذکورہ بالا آیت میں آگے فرمایا:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۷﴾

''اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

اللہ سے ڈرتے رہو' اُس کا تقویٰ اختیار کرو' اس لیے کہ اللہ کا تقویٰ سب سے بڑی متاع ہے۔ تقویٰ اللہ کی ناراضی سے ڈرنے کا نام ہے۔ جب آدمی کے دل میں یہ ڈر رہتا ہے تو وہ

طاعات پر آمادہ ہوتا اور معصیات سے بچتا ہے۔ جب دل تقویٰ سے خالی ہوتا ہے تو انسان اپنے لیے غلط روی کے راستے تلاش کرتا ہے' حیل وحجت کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے الفاظ تو رہ جاتے ہیں' لیکن ان کی روح نکال دی جاتی ہے۔ جیسے بنی اسرائیل نے اصحابِ سبت کے واقعہ میں کیا تھا۔ انہیں ہفتہ کے دن کاروبار سے روکا گیا تھا۔ جیسے آج مسلمانوں پر نمازِ جمعہ کی اذان (یعنی اذانِ ثانی) سے نماز کے ادا ہو جانے تک کاروبارِ دنیوی حرام ہے' اسی طرح یہود کے لیے ہفتہ کا پورا دن دنیاوی کاروبار ممنوع تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اس دن وہ اللہ کو یاد کریں' اللہ کی بندگی کریں' اللہ سے لو لگائیں' ذکر واذکار کریں۔ یہودیوں کی ایک بستی والوں کو جو مچھلیاں پکڑتے تھے' اللہ نے سبت کے حکم کے حوالے سے آزمائش میں ڈال دیا۔ چونکہ وہ ہفتہ کے دن مچھلیاں نہیں پکڑتے تھے' لہٰذا اُس دن مچھلیاں ساحل کے قریب گھومتی پھرتی نظر آتی تھیں۔ یہ صورتحال اُن کے لیے موجب اضطراب ہوتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے حیلہ نکالا کہ ہفتہ کے دن ساحل سمندر کے گرد گڑھے کھودتے تھے' اور پانی کو مچھلی سمیت اُن گڑھوں میں لے آتے اور شام کو پانی کی واپسی کا راستہ بند کر دیتے تھے' تاکہ اب جو مچھلیاں اِدھر آ گئیں وہ واپس نہ جا سکیں۔ اتوار کی صبح جا کر یہ مچھلیاں پکڑ لیتے تھے۔ اس حرکت پر جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کی نافرمانی نہ کرو' دین وشریعت کے ساتھ کیا مذاق کر رہے ہو' تو وہ کہتے کہ ہم نے اللہ کا حکم تو نہیں توڑا' ہم نے تو ہفتہ کو مچھلی کو ہاتھ تک نہیں لگایا' ہم نے تو کوئی دنیوی کاروبار نہیں کیا۔ جب تقویٰ نہ ہو تو پھر اسی طرح کے حیلے نکالے جاتے ہیں۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ نے اس حیلہ گری کی سخت سزا دی' جس کا ذکر سورۃ الاعراف میں آیا ہے۔ جب دل میں تقویٰ ہوگا' تو پھر اِس طرح کی حیلہ گری نہیں ہوگی بلکہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی سچی اطاعت ہوگی اور تقویٰ کی بڑی برکات ظاہر ہوں گی۔ اس لیے حکم دیا گیا کہ دیکھو اللہ سے ڈرو۔ ایک دن اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ تم ایک دوسرے کے سامنے جواب دہ نہیں مگر اللہ کے سامنے ہر ایک کو جواب دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تمہارے اندر کیا ہے' اور پھر یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ عذاب دینے میں بہت سخت ہے۔

نہ جا اُس کے تحمل پر کہ ہے بے ڈھب گرفت اُس کی
ڈر اُس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اُس کا!

❀❀❀

اسرائیل نامنظور

دینی‘ تاریخی‘ اور پاکستانی موقف

شُجاع الدّین شیخ

(قرآن اکیڈمی‘ کراچی میں ۱۱ جولائی ۲۰۲۵ء کا خطابِ جمعہ)

خطبہ مسنونہ اور تلاوت آیات کے بعد!

اسرائیل کو منظور کرانے کے حوالے سے جو مستقل کوششیں چلی آ رہی ہیں‘ ان میں ایک مرتبہ پھر زور و شور سے وزن ڈالا جا رہا ہے۔ ’’ابراہم اکارڈز‘‘ کے عنوان تلے مسلم ممالک اور پاکستان سے بھی تقاضا کیا جا رہا ہے کہ اسرائیل کی ناجائز صہیونی ریاست کو قبول کیا جائے۔ کبھی این جی اوز کے ذریعے یہ بات آتی ہے‘ کبھی میڈیا میں مختلف پروگرامز میں بات آتی ہے‘ کبھی امریکہ کی طرف سے بات اٹھائی جاتی ہے‘ کبھی مسلم ممالک کے کچھ ذمہ داران کی طرف سے بات اٹھائی جاتی ہے۔ گزشتہ چند دنوں میں پاکستان کے چند وزراء کی زبان سے بھی یہ بات اٹھتی رہی ہے‘ تو آج ضرورت محسوس ہوئی کہ اس پر کلام ہو۔ دینی اعتبار سے‘ تاریخی اعتبار سے‘ اور پاکستان کی تاریخ کے اعتبار سے بھی بانیانِ پاکستان کے الفاظ میں یہ سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ آخر ہم مسلمانانِ پاکستان خاص طور پر اسرائیل کو کیوں قبول نہیں کر سکتے اور کیوں ہمیں اسے قبول نہیں کرنا چاہیے۔ یہ محض کوئی جذباتی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کی دینی بنیاد بھی ہے‘ تاریخی بنیاد بھی ہے‘ اخلاقی بنیاد بھی ہے۔ حالات بھی ہمارے سامنے ہیں کہ جن میں ہم سمجھتے ہیں کہ بھرپور آواز اس پر بلند کریں اور اسرائیل کو ہرگز منظور نہ کیا جائے۔ اس بات کو ہم پروموٹ کرنے کی کوشش کریں۔ ویسے تو کئی معاملات پیش آتے رہتے ہیں جن پر کلام ہونا چاہیے۔ دو تین باتوں کی طرف مختصراً اشارہ کر کے پھر اس موضوع کی طرف آؤں گا۔

تین ضمنی معاملات

توجہ طلب بات ہے کہ ماہ محرم الحرام میں ملک کے اندر ایک فرقہ واریت کی فضا پیدا کر دی جاتی ہے۔ ایک فرقے کی کچھ رسومات کی بنیاد پر صورت حال ایسی ہو جاتی ہے کہ جیسے ملک حالتِ جنگ میں ہے۔ ہم بار بار توجہ دلاتے ہیں کہ گستاخیوں کا سلسلہ رکتا نہیں ہے۔ ایک طرف سوشل میڈیا پر گستاخیاں ہیں جو قرآن کریم‘ انبیاء کرام ؊‘ خود رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ بابرکات‘ صحابہ کرام اور اہل بیت ؓ کے حوالے سے ہیں۔ گاہے بگاہے ہم نے عمومی الفاظ میں اس پر ماضی میں توجہ دلائی لیکن ہر سال ماہ محرم الحرام میں کہیں نہ کہیں سے کوئی بات اٹھتی ہے اور علی الاعلان سوشل میڈیا پر اس کو لایا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بالخصوص حضرت امیر معاویہ ؓ‘ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ‘ سیدنا عمر فاروق ؓ کے تعلق سے گستاخانہ باتیں کی جاتی ہیں۔ اس حوالے سے ہم نے یہ بات بھی بیان کی کہ اگر کسی فرقے کے افراد کچھ مقدس شخصیات کی تعریف نہیں کر سکتے‘ ان کے فضائل بیان نہیں کر سکتے تو نہ کریں‘ کوئی مسئلہ نہیں‘ لیکن زبان درازی تو نہ کریں۔ بدکلامی تو نہ کریں۔ برے الفاظ تو استعمال نہ کریں۔

اس ضمن میں ہمارے ریاستی اداروں کی جانب سے کوئی ایکشن نہیں لیا جا رہا۔ اگر ہمارے مقتدر طبقات اور حکمرانوں کے مفادات پر ضرب پڑتی ہو‘ ان کی غلط باتوں پر توجہ دلائی جاتی ہو تو یہ ایکشن بھی لیتے ہیں۔ مخالفین کا اٹھا لیا جانا‘ گرفتار کر لیا جانا‘ گھرانے کے افراد کو اٹھا لیا جانا‘ چادر اور چار دیواری کا تقدس پامال کیا جانا‘ یوٹیوب چینلز کا بند کر دیا جانا تو ہمیں دکھائی دے رہا ہے مگر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام ؓ کے بارے میں گستاخیاں کرنے والوں کو کوئی سزا نہیں دی جا رہی‘ نہ اس پر کوئی روک لگائی جا رہی ہے۔ یہ وہ شے ہے جو منفی جذبات کو پروان چڑھاتی ہے اور نتیجتاً معاشرے کے اندر انتشار پیدا ہوتا ہے۔ یہ بات ہم نے ماہ محرم الحرام کے آغاز پر بھی کہی تھی اور عاشورہ کے بعد بھی میں عرض کر رہا ہوں کہ حکمرانوں کو غیرت آنی چاہیے۔ ان کے سیاسی فیصلوں پر کوئی اعتراض کرے‘ ان کے غلط کاموں پر کوئی بات کرے تو اس کے خلاف ایکشن لیا جائے لیکن صحابہ کرامؓ کی شان میں یہ جو گستاخیاں ہو رہی ہیں اس پر ایکشن نہیں لیا جا رہا تو اپنے گریبانوں میں ان کو جھانکنا چاہیے کہ کل اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دیں گے!

دوسری بات شہر کراچی کے تعلق سے ذرا ایک مقامی مسئلہ ہے۔ ایک طرف تو حکومتِ

سندھ نے بڑے بڑے جرمانے اور چالان کے اعلانات کر دیے ہیں کہ ایسا کرو گے تو اتنا جرمانہ ہوگا‘ ویسا کرو گے تو اتنا جرمانہ عائد ہوگا۔یعنی دماغ تو پہنچا ہوا ہے انٹرنیشنل سٹینڈرڈز پر کہ ہم ٹریفک کے قوانین کی پابندی کروائیں گے۔ پولیس کے چھ چھ اہل کار بدمعاشوں کی طرح کھڑے ہوکر ایک موٹر سائیکل والے کو روکتے ہیں۔شہری مصیبت اٹھا رہے ہیں۔دوسری جانب سڑکوں کی حالت یہ ہے کہ بچے کھلے گٹر کے اندر گر کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔سڑکوں کی حالت ایسی ہے کہ لگتا ہے کسی تباہ شدہ زمین کے اوپر ہم رہ رہے ہوں۔ یہ ایک عجیب صورت حال ہے کہ حکمرانوں کے گھروں کے اندر تو عیاشیوں کے سامان موجود ہوں جبکہ عوام کو جینے کا بنیادی حق بھی نہ دیا جائے۔باتیں بین الاقوامی معیارات کی ہوں اور حقیقت یہ ہو کہ شہر کی سڑکیں انتہائی ناکارہ۔ ڈی ایچ اے میں تین مرتبہ ترقیاتی کام ہوا لیکن حالیہ بارشوں نے اس کا بھی پول کھول دیا ہے۔ وفاقی حکومت کی سطح پر آ جائیں تو سننے میں آتا ہے کہ ایف بی آر کا یہ ٹارگٹ ہے‘ وہ ٹارگٹ ہے۔ سب سے زیادہ ٹیکس تنخواہ دار طبقے سے اکٹھا ہوتا ہے۔ بڑے بڑے تاجروں کے اوپر کوئی ٹیکسز نہیں۔محصولات وصول کرنے کے لیے اور جبر کرنے کے لیے عوام الناس ہی رہ گئے ہیں‘ اس پر غور کرنا چاہیے۔

خاص مواقع پر ہمارے حکمرانوں کی طرف سے بڑے پیارے پیغامات جاری ہوتے ہیں۔یکم محرم الحرام حضرت عمر فاروق ؓ کا یوم شہادت ہے۔سرکاری پیغامات میں بتایا گیا کہ وہ بڑا سنہرا دور تھا‘ گڈ گورننس مثالی تھی۔اس سے کس نے انکار کیا ہے‘ لیکن سوال یہ ہے کہ آپ کیا کر رہے ہو آخر! کیا یہ صرف بیانات دینے کا معاملہ ہے یا آپ کے پاس جو اختیار ہے اس کے مطابق اللہ کے آگے جواب دہ بھی ہو گے؟ اسی طرح بتایا جاتا ہے کہ سیدنا حسین ؓ کی شہادت کا نہایت اعلیٰ بلند مرتبہ ہے کہ کس طرح ظلم واستبداد کے خلاف سینہ سپر ہو گئے‘ لیکن خود حکمرانوں نے عوام کی زندگی جس طرح دوبھر کر رکھی ہے‘ اس کے لیے اللہ کو کیا جواب دیں گے؟

لیاری میں عمارت منہدم ہونے کا سانحہ پیش آیا اور ۲۷ شہادتیں ہو گئیں۔ یہ تو ایک بلڈنگ کا معاملہ ہے‘ ایسی کتنی ہی عمارتوں کے ڈیزائن کی ناجائز طریقے پر منظوری دی گئی اور وہ بلڈنگز بن گئیں۔کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ جب کوئی حادثہ ہوتا ہے تو اس کے بعد آوازیں اٹھنا شروع ہوتی ہیں اور ضابطے کی کارروائی کا تقاضا کیا جاتا ہے۔

بہرحال‘ یہ میں نے تین امور کی طرف اشارہ کیا ہے۔ایک‘ گستاخوں کے خلاف حکومت

کو ایکشن لینا چاہیے۔ یہ ہماری ایمانی غیرت کا تقاضا ہے۔ دوسری بات یہ کہ عوام ہی پر سارے ٹیکسز کا بوجھ ہے۔اشرافیہ اور معاشرے کے خوش حال طبقات‘ جن میں ہمارے حکمران اور ایلیٹ کلاس بھی شامل ہے‘ ان سے وصولی کے معاملات میں اتنی سرگرمی دکھائی نہیں دیتی‘ بلکہ انہیں مراعات سے نوازا جاتا ہے۔ عام آدمی ایک آسان ٹارگٹ ہے۔ اس سے جتنا وصول کرنا چاہیں گے‘ کر لیں گے۔ یہ ظلم ہے‘ جس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو جواب دینا پڑے گا۔تیسری بات ایک مخدوش عمارت سے متعلق تھی۔ہم اور آپ اسی شہر کے رہنے والے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ کس کس طرح غیر قانونی طور پر بلڈنگ بنانے کی اجازت دی جاتی ہے۔ بنیادی معیارات کا بھی ان میں خیال نہیں رکھا جاتا۔ چنانچہ اس طرح کے معاملات پیش آتے ہیں۔ اگر واقعتاً عمارتیں مخدوش ہو چکی ہیں اور تکنیکی معیار کے مطابق ان کی زندگی مکمل ہو چکی ہے تو پھر حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ یہاں کے رہنے والوں کے لیے کوئی متبادل انتظامات کر کے دیے جائیں۔ دینی طبقات سے ایک شکوہ یہ بھی ہوتا ہے کہ باقی سب باتیں ہوتی ہیں لیکن ان معاملات پر کلام نہیں ہوتا‘ یہ معاملات دین سے باہر نہیں ہیں۔ظلم کہیں بھی ہو‘ ہے تو ظلم۔اس کے خلاف‘ ہمیں بات کرنی چاہیے۔ اگر ایک طبقے کو نوازا جا رہا ہو اور عوام الناس کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہو تو یہ بھی ظلم ہے اور اس کے خلاف بھی بات ہونی چاہیے۔ یہ تین مختصر باتیں مجھے آپ کے سامنے رکھنی تھیں۔

اب آیئے آج کے موضوع کی طرف۔ اسرائیل کو قبول کروانے کی مستقل کوششیں ماضی سے چلی آ رہی ہیں۔ ہمارے پچھلے حکمرانوں پر پریشرز رہے اور کچھ ان میں سے آگے بڑھ بڑھ کر گیت بھی گاتے رہے کہ آخر اسرائیل کو قبول کر لینے میں حرج کیا ہے۔ اس میں ہمارے فوجی حکمران بھی شامل ہیں اور سول حکمران بھی۔ یہ معاملہ across the board چلتا رہا ہے۔ دبتا ہے اور پھر تھوڑے عرصے کے بعد اس کو دوبارہ اٹھایا جاتا ہے‘ یہ دیکھنے کے لیے کہ مسلمانوں میں کوئی جذبات باقی بھی ہیں یا نہیں۔ جب یہ جذبات ختم ہو جائیں گے اور ان کی روح بالکل مُردہ ہو جائے گی تو پھر اسرائیل کو قبول کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی‘ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر پھر گریٹر اسرائیل کے منصوبے بھی بڑھتے چلے جائیں گے۔ اس تناظر میں ہم چاہیں گے کہ آج کچھ دینی اعتبار سے‘ تاریخی اعتبار سے‘ بانیانِ پاکستان کے بیانات کے اعتبار سے‘ اخلاقی پہلو کے اعتبار سے کلام ہو۔ یہ چیز ہماری یاددہانی اور learning کا بھی ذریعہ بنے۔ اگر یہ پریشر ڈویلپ ہو رہا ہے تو پھر ہماری طرف سے آواز اٹھنی چاہیے کہ اسرائیل کو قطعاً قبول نہ کیا جائے۔

خوش نما عنوان کی حقیقت

آج کل ’’ابراہم اکارڈز‘‘ کی بات چل رہی ہے۔ بعض مرتبہ انگریزی زبان میں بہت زیادہ بدتمیزی دکھائی دیتی ہے۔ ’’ابراہیم‘‘ کتنا پیارا نام ہے اور یہ دنیا کی ہر زبان میں معروف ہے۔ ایک زبان کی خاص اصطلاح ہوتی ہے تو اسی کو دوسری زبان میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن قابلِ احترام ناموں کو بگاڑا گیا ہے۔ ’’ابراہیم‘‘ کو ’’ابراہم‘‘ کر دیا ہے۔ ’’سلیمان‘‘ کو ’’سولمن‘‘ کر دیا ہے۔ بہرحال تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ ہم سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ماننے والے ہیں تو ایک مشترکہ بات کے اوپر اتفاق کر لیتے‘ اس میں حرج کی کیا بات ہے! کتنا شوگر کوٹڈ معاملہ ہے! مجھے انتظار ہے اس بات کا جب کوئی سورہ آل عمران کی آیت ۶۴ بھی quote کر دے گا:

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ....﴾

’’(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان بالکل برابر ہے......‘‘

کل کوئی یہ آیت ہمیں بھی سنا دے گا کہ قرآن تمہیں کہتا ہے کہ اہل کتاب سے مشترکہ امور پر بات کرو۔ اسی طرح اہل کتاب میں سے بھی کوئی اٹھ کر کہہ سکتا ہے کہ مشترکہ امور پر بات کر لو۔ چنانچہ بڑا خوب صورت عنوان دیا گیا ’’ابراہم اکارڈ‘‘ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ماننے والے مل کر کوئی معاہدہ کر لیں۔ سوال یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ماننے والے اصل لوگ کون ہیں؟ آج تو یہودی‘ یہودی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جبکہ نصرانی‘ نصرانی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں‘ لیکن سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۶۷﴾

’’(تمہیں بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ) ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی‘ بلکہ وہ تو بالکل یکسو ہو کر اللہ کے فرماں بردار تھے۔ اور نہ وہ مشرکوں میں سے تھے۔‘‘

اس آیت کے پس منظر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ نے توحید کی دعوت ان لوگوں کے سامنے رکھی تو قرآن نے مشترکہ شخصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ کوئی نئی بات پیش نہیں کر رہے ہیں۔ یہودیو! اگر تم ابراہیم علیہ السلام کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہو‘ نصرانیو! اگر تم ابراہیم علیہ السلام کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہو‘ مشرکین! اگر تم ابراہیم علیہ السلام

کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہو تو محمد ﷺ زیادہ قریب ہیں ابراہیم علیہ السلام کے۔ آپؐ ابراہیم علیہ السلام کی صحیح تعلیم تمہارے سامنے رکھ رہے ہیں۔ تم یہودی بن گئے اور عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے دیا۔ تم نصرانی بن گئے اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے دیا۔ مشرکینِ مکہ بھی ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں ہونے کے دعوے دار ہیں مگر ۳۶۰ بتوں کی گندگی میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ تمہارے دعوے باطل ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے‘ نہ نصرانی تھے اور نہ مشرک۔ وہ تو یکسو ہو جانے والے مسلم تھے۔ آگے فرمایا:

﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ﴾ (آل عمران:۶۸)

’’یقیناً ابراہیمؑ سے سب سے زیادہ قربت رکھنے والے لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے اُن کی پیروی کی‘ اور اب یہ نبی (حضرت محمد ﷺ) اور جو اُن پر ایمان لائے (اس نسبت کے زیادہ حقدار ہیں)۔‘‘

محمدٌ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والے ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں۔ اگر تم نسل ابراہیمؑ میں ہونے کی بنیاد پر اپنے آپ کو ابراہیم علیہ السلام کے قریب سمجھتے ہو تو یہ نسلی رشتہ تمہارے تعلق کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ تمہارا تعلق اگر ہو گا تو اس بنیاد پر ہو گا کہ تم کیا واقعتاً ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کرتے ہو‘ ان کی پیروی کرتے ہو‘ ان کی تعلیمات پر عمل کرتے ہو! چونکہ تم نے وہ سب چھوڑ رکھا ہے تو اب نبی اکرم ﷺ اور ان پر ایمان والے ابراہیم علیہ السلام کے قریب ترین ہیں۔

اسی طرح سورۃ الحج کی آخری آیت میں فرمایا:

﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ﴾ (آیت ۷۸)

’’اور جہاد کرو اللہ کے راستے میں جیسا کہ جہاد کا حق ہے۔ اُس نے تمہیں چُن لیا ہے اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ اپنے جدِامجد ابراہیمؑ کی ملت (پر قائم رہو!)‘‘

یعنی محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے ماننے والے ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور ان کے طریقے پر ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کیا ہے؟ اس حوالے سے سورۃ البقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۳۱﴾

’’جب بھی کہا اُس سے اُس کے پروردگار نے کہ مطیع فرمان ہو جا‘ تو اُس نے کہا: میں مطیع فرمان ہوں تمام جہانوں کے پروردگار کا۔‘‘

یعنی ابراہیم علیہ السلام کی ملت‘ آپؑ کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کا جو حکم آئے اپنے آپ کو اس کے سامنے جھکا دو۔ سورۃ الحج کی آیت ۷۸ میں آگے فرمایا: ﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ط﴾ تم اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی ملت یعنی طریقے پر رہو۔ ﴿هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ لا مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا﴾ انہوں نے تمہارا نام مسلم رکھا۔ یہودی نہیں رکھا‘ نصرانی نہیں رکھا‘ مسلم رکھا ﴿وَفِيْ هٰذَا﴾ اور اس قرآن کریم میں بھی تمہارا یہی نام رکھا گیا۔

ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اصل تعلق نبی اکرم ﷺ کا اور ان پر جو ایمان لائے ان کا ہے۔ باقی یہود رہے‘ نصرانی رہے‘ مشرکین رہے‘ انہوں نے تو بگاڑ پیدا کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم سے علیحدہ ہو گئے۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے آ کر ابراہیم علیہ السلام کی اصل تعلیم کو تمہارے سامنے پیش کیا۔ اب ان پر ایمان لاؤ گے تو واقعتاً ابراہیمی قرار پاؤ گے‘ واقعتاً مسلم قرار پاؤ گے۔ اس سے کم تر پر تم ابراہیمی ہونے کا دعویٰ کرو تو یہ بات درست نہیں ہے۔ چنانچہ یہ جو اس وقت شوشہ چھوڑا گیا جو کہ پہلے بھی چھوڑا گیا تھا‘ ۲۰۱۹ء سے اس کی کوششیں شروع ہوئیں‘ ٹرمپ کے پہلے دور میں‘ اب یہ دوسرا دور ہے ٹرمپ کی صدارت کا اور ’’ابراہم اکارڈز‘‘ کے نام سے مسلم ممالک کو لالی پاپ دے کر‘ سرمایہ کاری اور کاروبار کے نام پر اس معاہدے میں جکڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسرائیل کو قبول کیا جائے‘ جبکہ ہم کہتے ہیں کہ ہرگز قبول نہیں کیا جانا چاہیے۔ یہ وضاحت تو ہوگئی ’’ابراہم اکارڈ‘‘ کے لفظ ابراہیم کے تعلق سے کہ یہ بات بڑے شوگر کوٹڈ انداز میں پیش کی جا رہی ہے‘ حالانکہ یہود اور نصاریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات پر نہیں ہیں۔ آج اگر کوئی ہے تو وہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی امت ہے کہ جو ملت ابراہیم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر قائم ہے۔

قومی پس منظر

اب تھوڑا سا پس منظر اس بات کا میں آپ کے سامنے رکھوں کہ ہر تھوڑے عرصے میں یہ پھلجھڑیاں ہمارے یہاں چھوڑی جاتی ہیں۔ ہمارے ایک سابق نگران وزیر اعظم انوار الحق کاکڑ کو کہا گیا کہ قائداعظم نے تو کہا تھا کہ اسرائیل مغرب کا ناجائز بچہ ہے اور ہم اسے ہرگز قبول نہیں کر سکتے‘ تو کاکڑ صاحب نے کہا کہ اگر قائداعظم نے کوئی بات کہہ دی تو وہ کوئی نبی تھوڑی تھے! یعنی اتنی بے باکی کے ساتھ بات کی۔ پہلے دن سے ریاست کی ایک پالیسی چلی آ رہی ہے۔ ہم کب کہہ رہے ہیں کہ قائداعظم نبی تھے‘ مگر یہ تو بتایا جائے کہ پاکستان کی پالیسی کب

تبدیل ہوئی ہے! یہ کس پارلیمنٹ میں تبدیل ہوئی؟ کس جگہ تبدیل ہوئی ہے؟ ہمارے پاسپورٹ پر لکھا ہوا ہے کہ یہ اسرائیل کے لیے valid نہیں ہے۔ پالیسی کس نے تبدیل کر دی؟ پھر این جی اوز کے ذریعے سے رائے عامہ ہموار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ فن کاروں اور گلوکاروں کو اسرائیل کا دورہ کرایا جاتا ہے۔ ماضی میں ایک دو دینی شخصیات کو بھی کروا دیا گیا تو ان کی زبان پر بھی بات آ گئی۔ ماضی کے ٹاک شوز میں بھی باتیں آ گئیں۔ ہمارے ایک بلکہ دو آرمی چیفس کی باتیں بھی زبان پر آ گئیں کہ اگر ہم اسرائیل کو قبول کر لیں تو یہ فوائد حاصل ہوں گے‘ ایسا ہوگا اور ویسا ہوگا۔

اس سے آگے بڑھ کر سعودی عرب کے ولی عہد جناب محمد بن سلمان نے ’’فاکس نیوز‘‘ کو ایک انٹرویو میں کہا کہ امریکہ کی مدد سے سعودی عرب اور اسرائیل باہمی تعلقات قائم کرنے کے انتہائی قریب آ چکے ہیں۔ بات یہاں تک چلی گئی۔ اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سعودیہ کے اسرائیل کو قبول کرنے کا انتظار بہت سے مسلم ممالک کو ہے۔ شاید ہمارے حکمران بھی سعودیہ کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلانا چاہیں گے۔ یہ انٹرویو ۷/اکتوبر ۲۰۲۳ء کو حماس کے اسرائیل پر حملہ سے پہلے دیا گیا تھا۔ حماس نے دیکھا کہ سارے مسلم ممالک اسرائیل کو قبول کرنے کے لیے دب جائیں گے تو پھر مسجد اقصیٰ کے cause کے لیے کھڑا کون ہوگا! اس کی حرمت اور حفاظت کے لیے کون کھڑا ہوگا؟ تب حماس نے یہ اقدام کیا تھا۔ ہمارے ذہن میں تھوڑی سی تاریخ رہنی چاہیے۔

دینی نقطہ نظر

قرآن کریم کے آغاز میں سورۃ الفاتحہ ہے‘ جس کی تلاوت ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں کرتے ہیں۔ اس سورت کے آخر میں ہم پڑھتے ہیں: ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ە غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾ ’’اے اللہ! ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تیرا انعام ہوا‘ جن پر تیرا غضب نہیں ہوا اور وہ گمراہ نہیں ہوئے!‘‘ یہ غضب کس پر ہوا ہے؟ سورۃ البقرہ میں ذکر ہے کہ یہود پر اللہ کا غضب ہوا۔ مسند احمد میں اللہ کے رسول ﷺ کی واضح حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ’’مغضوب علیھم سے مراد یہود ہیں‘‘۔ ہمیں تو ہر نماز کی ہر رکعت میں یاد دلایا جا رہا ہے کہ یہود کے راستے پر نہ چلنا کیونکہ یہ وہ قوم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا ہے۔ ہر نماز کی ہر رکعت میں مسلمانوں کو یاد دہانی کرائی جا رہی ہے۔ سورۃ

المائدہ کی آیت ۸۲ ان دنوں بار بار پیش کی گئی ہے کہ:

﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ﴾

’’تم لازماً پاؤ گے اہل ایمان کے حق میں شدید ترین دشمن یہود کو اور ان کو جو مشرک ہیں۔‘‘

دورِ نبوی ﷺ میں بھی یہود اور مشرکین کا گٹھ جوڑ تھا۔ آج بھی یہود اور ہنود؛ جو موجودہ دور کے مشرک ہیں، ان کا گٹھ جوڑ موجود ہے۔ نیتن یاہو اور نریندر مودی پاکستان کے بارے میں ایک ہی پیج پر ہیں۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ اسلام دشمنی میں، مسلمانوں کی دشمنی میں، ایمان والوں کی دشمنی میں تم سب سے بڑھ کر دشمن یہود کو پاؤ گے اور وہ جنہوں نے شرک کیا۔ اسی طرح جب ہم سورۃ البقرہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ڈیڑھ سو آیات کے بعد نبی اکرم ﷺ کی امت سے براہ راست خطاب ہوتا ہے۔ مشہور آیت ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ﴾ (البقرۃ:۱۵۳)

’’اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو۔‘‘

سورۃ البقرہ کا کم وبیش ایک بڑا حصہ جو تقریباً ۱۰ رکوعوں اور ۱۵۰ آیات پر مشتمل ہے، وہ بنی اسرائیل کے بارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دور میں ان کو فضیلت دی تھی۔ قرآن مجید میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۴۷ اور آیت ۱۲۲ میں فرمایا گیا:

﴿وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾﴾

’’اور یہ کہ میں نے تمہیں فضیلت عطا کی تمام جہانوں پر۔‘‘

ہزاروں انبیاء آئے، کتابیں آئیں، بادشاہت ملی۔ پھر کیا ہوا؟ یہی لوگ تھے جنہوں نے کتاب کو پس پشت ڈالا۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۰۱ کے مطابق:

﴿نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڎ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ﴾

’’اہل کتاب کی ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا۔‘‘

یہی لوگ ہیں جنہوں نے انبیاء کو شہید کیا۔ یہی لوگ ہیں جن کے علماء نے اللہ کی کتاب میں تبدیلیاں کیں، تحریف کی اور دنیا کمائی۔ یہود ہی کے بارے میں قرآن حکیم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جرائم کی وجہ سے ان پر اپنا غضب نازل کیا۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۱ کی رُو سے:

﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۤ﴾

’’اور ان پر ذلت وخواری اور محتاجی وکم ہمتی تھوپ دی گئی۔‘‘

پھر ان کو معزول کیا گیا۔ پہلے یہ اُمتِ مسلمہ تھے۔ انبیاء کرامؑ کے مشن میں شریک کیے گئے تھے۔ اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈالنا، انبیاء کو شہید کرنا، وعدوں کو بار بار توڑنا، اللہ کی مسلسل نافرمانی کرنا، اللہ کے دین کے حصے بخرے کرنا، اللہ کی کتاب کے ایک حصے کو ماننا اور ایک حصے کو نہ ماننا، انسانیت کے ساتھ ظلم وستم کا معاملہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اتنے جرائم گنوائے اور پھر ان کو معزول کر کے رسول اکرم ﷺ کے متبعین کو اُمتِ مسلمہ قرار دیا۔ یہ بات سورۃ البقرہ کی آیت ۱۴۳ میں بیان ہوئی ہے۔ بیت المقدس پہلے مسلمانوں کے لیے بھی قبلہ تھا، اب اس کی جگہ بیت اللہ کو قبلہ معین کیا گیا۔ یہ ایک علامت تھی کہ اُمت تبدیل ہوگئی ہے۔ قرآن کریم فرمارہا ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ﴾
(البقرۃ:۱۴۳)

’’اور (اے مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمتِ وسط بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو۔‘‘

یہ جو ’’ابراہم اکارڈ‘‘ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کر کے ملفوف انداز میں مشترکات کی باتیں کی جارہی ہیں، قرآن کریم سے رجوع کرنے پر پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امتحانات سے گزار کر منصب امامت عطا فرمایا تو انہوں نے عرض کیا: یا اللہ! میری اولاد کو بھی امامت کا منصب ملے گا؟ اس پر فرمانِ الٰہی ہوا:

﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٢٤﴾﴾ (البقرۃ)

’’میرا یہ عہد ظالموں سے متعلق نہیں ہوگا۔‘‘

آپ کی نسل میں جو ظالم ہوں گے، ان کے لیے امامت کا وعدہ نہیں ہے۔ یہ اُس وقت بھی ظالم تھے، آج بھی ظالم ہیں۔ ہمارے استاد ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ نے ایک بہت عمدہ خطاب فرمایا تھا، جس کا عنوان تھا: ’’انسانیت کے سب سے بڑے دشمن۔‘‘ اس کا حاصل یہ ہے کہ انسانیت کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے۔ اسے حسد ہوا پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام سے۔ اس حسد کی وجہ سے وہ بنی آدم کا دشمن بنا۔ آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے یہود کو حسد ہوا، وہ انسانیت کے دشمن ہیں۔ اپنے علاوہ دوسروں کو وہ gentiles کہتے ہیں۔ دوسروں کو قتل کرنا، مار دینا ان کی سرشت میں موجود ہے۔ ان کے جملے ایسے ہیں کہ جن کو پڑھ کر انسان کانپ جائے۔ اسرائیل کے وزراء اور مذہبی پیشواؤں کے فلسطینیوں کے بارے میں بیانات ہیں کہ ان کو مار دیا جائے،

ان کو اڑا دیا جائے‘ ان کو تباہ کر دیا جائے‘ ان کو قتل کر دیا جائے‘ ان پر ایٹم بم برسا دیا جائے‘ کسی طرح ان کو ختم کر دیا جائے۔ غزہ کی رہائشی ایک بچی کو ۲۵۵ گولیاں ماری گئی ہیں۔ اللہ اکبر کبیراً! کیا یہ لوگ انسان کہلانے کے مستحق ہیں؟ یہ ظالم ہیں اور اللہ کا فیصلہ ہے کہ ظالموں کے لیے امامت کا میرا کوئی وعدہ نہیں۔ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام کو استعمال کر کے یہ ہمارے ذہن کو خراب کر رہے ہیں۔

یاد رکھیے کہ ہمارے لیے تمام انبیاء کرام علیہم السلام قابل ادب واحترام ہیں۔ اگر ہم ایک کا بھی انکار کریں تو مسلمان نہیں ہو سکتے۔ ہمیں سب کو ماننا ہے: ﴿لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِہٖ ۟﴾ ’’ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے۔‘‘ لیکن ہمارے لیے شریعت اب محمد رسول اللہ ﷺ کی چلے گی۔ تمام انبیاء کرام واجب الاحترام ہیں‘ البتہ واجب الاتباع صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ بابرکات ہے۔ فقہاء اور اصولِ دین مرتب کرنے والے علماء نے ایمان کی تعریف میں بڑا قیمتی جملہ ہمیں عطا کیا: تصدیق بما جاء بِهِ النبی ﷺ کہ ایمان یہ ہے کہ جو خبر محمد ﷺ نے عطا فرمائی اس کی تصدیق کرنا۔ آپ کا‘ میرا ایمان اس بات پر موقوف ہے۔ آپ اور میں سابقہ انبیاء کرام کو بھی اس لیے مانتے ہیں کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے ایسا بتایا ہے۔ قرآن حضور ﷺ کی زبان سے ہمیں ملا۔ انہی اہل کتاب کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ تمہارے لیے مسلم نام رکھا گیا لیکن تم نے یہود نام رکھ لیا‘ نصاریٰ نام رکھ لیا۔ انہوں نے تو خود اپنے آپ کو بیک فٹ پر ڈال دیا۔ وہ مسلمان رہنا ہی نہیں چاہتے۔ یہ یہودیت چاہتے ہیں‘ نصرانیت چاہتے ہیں۔ بگاڑ والی چیزیں چاہتے ہیں۔ اصل دین انہوں نے چھوڑ دیا۔ چنانچہ ’’ابراہم اکارڈ‘‘ کے نام سے مشترکات کی بات کرنا درحقیقت ہمارے عقیدے کو چیلنج کرنے والے معاملات بھی ہیں۔ اس کے بارے میں ہمیں چوکنا رہنا چاہیے۔

تاریخی حوالہ جات

رسول اللہ ﷺ کے دور میں یہود اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ انہوں نے بڑی سازشیں کیں‘ یہاں تک کہ حضور ﷺ کو شہید کرنے کا ناپاک منصوبہ بھی بنایا‘ معاذ اللہ! غزوۂ احزاب کے موقع پر ۱۰ سے ۱۲ ہزار کا لشکر پورے عرب سے آیا جس کے لیے ساری محنت کرنے والے یہی یہود تھے۔ چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ نے ان کی سازشوں پر مدینہ

منورہ سے بھی ان کو نکالا۔ ان کے جو تین قبائل تھے بنوقینقاع‘ بنوقریظہ اور بنونضیر ان کو ایک ایک کر کے اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ منورہ سے نکالا۔ جب یہ خیبر میں جمع ہو کر وہاں سے بیٹھ کر سازشیں کرتے تھے تو خیبر کے یہود کے خلاف بھی رسول اللہ ﷺ نے اقدام فرمایا تھا۔ اس معاملے کو سمجھنے کے اعتبار سے یہ ہمارا دینی پیراڈائم ہے۔

اسی طریقے پر مسجد اقصیٰ کی حرمت کے حوالے سے یہ بات ہم نے بار بار بیان کی کہ تین مسجدوں کی نیت کر کے شدِ رحال کیا جا سکتا ہے۔ وہ تین مسجدیں ہیں: مسجد حرام‘ مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ ہمارے لیے یہ تینوں حرم ہیں۔ اسرائیل کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ پر بھی ان کی حاکمیت تسلیم کر لی جائے گی۔ مسجد حرام‘ مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ تو بڑی بات‘ کیا ایک عام مسجد کے کسی ایک انچ پر بھی کسی کا قبضہ مسلمان گوارا کر سکتا ہے؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی تصور کر سکتا ہے کہ کوئی حرم مکہ پر قبضہ کر لے اور اس قبضے کو ہم قبول کر لیں؟ مسجد نبوی ہمارے لیے حرم ہے‘ اس پر کوئی قبضہ کر لے تو کیا ہم قبول کر سکتے ہیں؟ مسجد اقصیٰ ہمارے لیے حرم ہے‘ اس پر کوئی قبضہ کر لے کیا کوئی مسلمان قبول کر سکتا ہے؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دینی معاملات کے اعتبار سے ہمیں یہ clarity رہنی چاہیے۔

سیدنا عمر فاروق ؓ کے دور میں جب عیسائیوں نے بیت المقدس کا انتظام و انصرام مسلمانوں کے حوالے کیا تو اس شرط پر کہ یہودی یہاں پر نہیں رہیں گے۔ سیدنا عمر فاروق ؓ نے ان کی یہ شرط قبول کی کہ یہاں آباد نہیں ہو سکتے‘ بس زیارت کرنے کو آئیں اور چلے جائیں۔ یہود کا بھی اس سے تعلق تو ہے۔ البتہ یہ معاملہ کہ بیت المقدس اور اس کے گردونواح میں یہود کو آباد ہونے کی اجازت نہیں ہے‘ سیدنا عمر فاروق ؓ کے دور سے طے ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہاں کسی اور کا قبضہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی تولیت اور اس کا انتظام مسلمانوں کے پاس ہونا چاہیے۔

اب تین احادیث سنیں۔ یہ بات دینی پیراڈائم میں ہے۔ پہلی روایت مسلم شریف میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم جزیرۃ العرب میں جہاد کرو گے۔ جہاد یہاں قتال کے معنی میں ہے۔ فرمایا: ’’تم جزیرۃ العرب میں جہاد کرو گے اور اللہ فتح عطا فرمائے گا۔‘‘ چنانچہ سرزمین عرب پر جہاد ہوا‘ قتال ہوا اور اللہ کا دین غالب ہوا۔ آگے فرمایا: ’’پھر فارس سے جہاد کرو گے‘ اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔ پھر روم سے جہاد کرو گے‘ اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔‘‘ تاریخ شاہد

ہے کہ خلفاء راشدین کے دور میں یہ علاقے بھی مسلمانوں کو مل گئے۔ اس کے بعد فرمایا: ''پھر تم دجال سے جہاد کرو گے' اللہ تعالیٰ اس کے خلاف بھی فتح عطا کرے گا''۔ غور کیجیے کہ دجال نے اسی علاقے میں آنا ہے۔ وہ یہود کا لیڈر بن کر آئے گا۔ اس سے لڑنے کے لیے فوجوں نے خراسان کے علاقے سے جس میں پاکستان کا شمالی علاقہ بھی شامل ہے' جانا ہے۔ لہٰذا ابھی دجال سے تو قتال باقی ہے جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف بھی فتح عطا فرمائے گا۔

اگلی روایت بھی مسلم شریف کی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ مسلمان یہودیوں سے قتال کریں گے اور مسلمان انہیں قتل کریں گے۔ اس وقت اگر کوئی یہودی پتھر اور درخت کے پیچھے چھپے گا تو وہ پتھر اور درخت پکار کر کہے گا: اے مسلمان! اللہ کے بندے! یہ یہودی میرے پیچھے ہے' آؤ اور اسے قتل کرو' البتہ غرقد کا درخت نہیں کہے گا۔'' اسرائیل میں بڑے پیمانے پر غرقد کی پلانٹیشن ہوئی ہے۔ ہم لوگ نہیں پڑھتے' وہ پڑھے بیٹھے ہیں۔ ہمیں چیزیں مستحضر نہیں یا بیان نہیں ہوتیں لیکن انہیں اچھی طرح پتہ ہے۔ اس حدیث کا عملی مظاہرہ ابھی باقی ہے۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ کی واضح حدیثیں ہیں۔

اگلی حدیث جامع ترمذی میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''خراسان سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے' انہیں کوئی نہیں روک سکے گا یہاں تک کہ انہیں بیت المقدس میں نصب کیا جائے گا۔'' اگر بار بار اسرائیل کے قبول کرنے کی بات آئے گی تو ہم اہل پاکستان کو بار بار خراسان یاد دلائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں خراسان کا علاقہ ایران کے کچھ حصے' افغانستان کے بیشتر حصے اور پاکستان کے شمالی علاقہ جات پر مشتمل تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہاں سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے۔ یعنی لشکر نکلیں گے جن کے جھنڈوں کا رنگ سیاہ ہوگا اور وہ جناب مہدی کی نصرت کو جائیں گے۔ جناب مہدی کی نصرت بھی ہوگی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تشریف لائیں گے اور دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوگا۔ مستقبل میں جو فوجوں نے اِدھر سے جانا ہے تو اِدھر والے کیا اسرائیل کو قبول کریں گے؟ وہ تو یہود کو قتل کریں گے' مسجدِ اقصیٰ کو آزاد کرائیں گے۔ اللہ کے دین کو غالب کریں گے۔ اس چیز کو سوچیں۔ اس حوالے سے ہماری سوچ بالکل واضح ہونی چاہیے۔ نئی نسل کے دل و دماغ میں یہ بات بیٹھنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا یقین عطا فرمائے!

پاکستانی موقف

پاکستان کے موقف کے حوالے سے بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ پاکستان علاج ہے اور اسرائیل مرض ہے۔ علاج پہلے آیا اگست ۱۹۴۷ء میں جبکہ مرض کا ظہور ہوا مئی ۱۹۴۸ء میں۔ یہ بات قائداعظم نے پہلے دن سے ہمیں سمجھا بھی دی ہے۔ پاکستان کے ایک انگریزی اخبار ''ٹریبیون'' کی ۲۲ نومبر ۲۰۲۳ء کی اشاعت میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ برطانیہ میں منعقدہ ۱۹۳۹ء کی گول میز کانفرنس میں قائداعظم نے ایک وفد بھیجا کہ مفتی اعظم فلسطین محترم امین الحسینی صاحب کو قائداعظم کا یہ پیغام پہنچایا جائے کہ برطانیہ کا وائٹ پیپر جس میں اسرائیلی ریاست کے قیام کی بات کی گئی' حقائق کے منافی ہے۔ یہی برطانیہ تھا جس نے ۱۹۱۷ء میں بالفور ڈیکلریشن کے ذریعے یہود کو یہاں آباد کرنے کی کوششیں شروع کیں۔ قائداعظم نے زور دے کر کہا کہ وہاں صرف ایک ہی ریاست قائم ہونی چاہیے اور وہ فلسطینی ریاست ہے۔ وہاں فلسطین کے مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ لہٰذا آل انڈیا مسلم لیگ اسی کی حمایت کرتی ہے اور ایک فلسطینی ریاست کے قیام کا مطالبہ کرتی ہے۔ آج دو ریاستی حل کی باتیں ہو رہی ہیں جبکہ قائداعظم نے واضح طور پر کہا کہ ایک ہی فلسطینی ریاست ہونی چاہیے۔

''قراردادِ لاہور'' ۱۹۴۰ء میں پاس ہوئی تھی' اس کا نام ''قراردادِ پاکستان'' بعد میں رکھا گیا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے جلسے کی صدارت قائداعظم نے کی اور سب سے پہلے فلسطین کی واحد ریاست کا مطالبہ پیش کیا گیا۔ اس کے بعد ''قراردادِ لاہور'' پیش کی گئی کہ برصغیر کے مسلم اکثریتی علاقوں پر مشتمل مسلمانوں کا ایک الگ ملک ہونا چاہیے۔ حامد میر صاحب نے ہماری کانفرنس میں بہت عمدہ بات کہی تھی کہ فلسطین کی محبت' مسجد اقصیٰ کی محبت اور یہ ایشو ہمارے ڈی این اے میں شامل ہے۔ جس دن ہم ''قراردادِ لاہور'' پیش کر رہے تھے جو مستقبل میں ''قراردادِ پاکستان'' قرار پائی' اسی دن ایک آزاد فلسطینی ریاست کی قرارداد بھی پیش ہو رہی تھی۔ قائداعظم نے اسرائیل جو کہ ۱۹۴۸ء میں قائم ہوا' اس کے قیام سے پہلے کہہ دیا تھا کہ جب تک ایک بھی مسلمان مرد اور عورت زندہ ہے' اسرائیل کے وجود کا کوئی جواز قابل قبول نہیں ہے۔ اسرائیل کے قائم ہونے کے بعد قائداعظم نے کہا تھا کہ یہ مغرب کا ناجائز بچہ ہے' جو ظلم کی بنیاد پر' غاصبانہ طور پر اور بدمعاشی کی بنیاد پر برطانیہ اور امریکہ کی کوششوں سے قائم ہوا ہے۔

اب کہا جارہا ہے کہ اگر اسرائیل کو قبول کرلیں تو بڑے معاشی فوائد ملیں گے۔ٹرمپ کے نمائندے عربوں کو اپنا کیس پیش کرتے ہیں کہ اگر تم اسرائیل کو قبول کرلو تو اتنی انویسٹمنٹ ہوگی۔ پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان امریکہ کے سرکاری دورے پر گئے تو یہود نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ ان کی نگاہ بڑی دور تک دیکھتی ہے۔ میزبان نے تقریر کے دوران کہا کہ اگر پاکستان اسرائیل سے تعلقات قائم کرلے تو ہم پاکستان کو ناقابلِ یقین حد تک فوائد پہنچائیں گے۔لیاقت علی خان نے کہا کہ: Gentlemen! Our souls are not for sale. تم چند ٹکے دے کر ہمارا عقیدہ اور ہماری ایمانی غیرت خریدنا چاہتے ہو۔ یہ تھی ریاست پاکستان کی سرکاری پالیسی۔آج اِدھراُدھر سے ہمیں منوانے کی باتیں ہورہی ہیں۔

ہمارے استاد ڈاکٹر اسرار احمد ؒ فرماتے تھے: عرب ممالک تو کیا‘ اگر ساری دنیا بھی اسرائیل کو قبول کرلے تو پاکستان ایسا کبھی نہ کرے۔ ہمارے ڈی این اے میں اسرائیل کی مخالفت ہے۔ ہماری فوجوں نے کل وہاں قتال کرنا ہے۔ہم نے جناب مہدی کا ساتھ دینا ہے۔ ہم نے اقصیٰ کی حفاظت کرنی ہے۔ہم نے ان ظالموں کو ختم کرنا ہے۔اسرائیل کو قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اگر بالفرض اس ظالمانہ ریاست کو ہم قبول کرتے ہیں‘ اس ناجائز قبضے کو ہم قبول کرتے ہیں تو کل کشمیر کا مقدمہ کیسے لڑسکیں گے! کشمیر پر بھارت کے قبضے کے خلاف کیسے بات کرسکیں گے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ ان بنیادوں پر ہمیں بات چلانی چاہیے۔ہم تنظیم اسلامی کے پلیٹ فارم سے مسلسل بات کررہے ہیں۔سوشل میڈیا پر بھی کریں گے۔ پبلک فورمز پر بھی کریں گے۔اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو ہم عوام سے‘ علماء سے‘ دینی ہی نہیں سیاسی جماعتوں سے بھی کہیں گے اور حکمرانوں سے بھی کہیں گے کہ اپنے اس موقف کا دوبارہ جائزہ لے لیں۔ پاکستان کے لیے اسرائیل کو قبول کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وآخردعوانا ان الحمد للّٰہ ربِّ العالمین!

میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

نئے تجارتی معاہدات اور امریکہ سے توقعات

شُجاع الدین شیخ

گزشتہ کئی دنوں خصوصاً ایران اسرائیل جنگ کے تھم جانے اور نیا مالی سال شروع ہونے کے بعد سے ہمارے ہاں یہ تاثر دینے کی کوشش کی جارہی ہے کہ پاکستان کی معیشت بہت اچھی ہوگئی ہے یا ہورہی ہے یا ہوجائے گی۔ پاکستان کی معیشت اچھی ہونا کسی بھی مُحبِّ وطن کے لیے بڑی خوش خبری ہے مگر کوئی بھی عقل مند یہ بات تسلیم نہیں کرسکتا کہ کوئی شخص اپنے گھر کا قیمتی سامان اونے پونے بیچ کر سمجھے کہ اُس کے مالی حالات بہتر ہوگئے ہیں اور حاصل ہونے والی رقم کو اللّوں تللّوں میں لُٹا دے۔ ایک عرصے سے پاکستان کے عوام کو یہ بتایا جارہا ہے کہ پی آئی اے‘ پاکستان سٹیل مل اور اِس طرح کے کئی اور ادارے مسلسل نقصان میں جارہے ہیں‘ اِس لیے اِن کو بیچ دینا ہی ملکی مفاد میں ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اِن اداروں کی وجہ سے پاکستان کے ایک ’’دوست‘‘ ملک کو تکلیف ہے کہ اگر یہ ادارے ٹھیک طرح سے کام کرنے لگ گئے تو پاکستان پر اُس کی گرفت کمزور پڑ جائے گی یا وہ اُس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔حقیقت تو یہ ہے کہ ماضی میں ’’Absolutely Not‘‘ سن کر پاکستان اُس کے ہاتھ سے نکل ہی گیا تھا مگر نئے حکمران اُس صورتحال کو بدلنے کی پوری کوشش کررہے ہیں۔

تازہ ترین خبر یہ ہے کہ وفاقی حکومت نے اگلے پانچ سال میں تین مراحل میں ۲۴ سرکاری اداروں کی نج کاری کا فیصلہ کرلیا ہے۔قومی اسمبلی میں وفاقی وزیر نج کاری عبدالعلیم خان نے اِس حوالے سے تفصیلات پیش کرتے ہوئے بتایا ہے کہ پہلے مرحلے یعنی ایک سال کے دوران میں ۱۰ اداروں‘ پی آئی اے‘ روز ویلٹ ہوٹل‘ فرسٹ ویمن بینک‘ ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن‘ زرعی ترقیاتی بینک‘ پاکستان انجینئرنگ کمپنی‘ سندھ انجینئرنگ لمیٹڈ‘ اسلام آباد الیکٹرک کمپنی‘ فیصل آباد الیکٹرک کمپنی اور گوجرانوالہ الیکٹرک کمپنی کی نج کاری ہوگی۔دوسرا مرحلہ جو ایک سے تین سال تک ہوگا‘ اس میں ۱۳ اداروں پاکستان ری انشورنس کمپنی لمیٹڈ‘ اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن‘

یوٹیلیٹی اسٹورز کارپوریشن‘ جام شورو پاور کمپنی لمیٹڈ‘ سنٹرل پاور جنریشن کمپنی لمیٹڈ‘ ناردرن پاور جنریشن کمپنی‘ لاکھڑا پاور کمپنی‘ لاہور الیکٹرک کمپنی‘ ملتان الیکٹرک کمپنی‘ ہزارہ الیکٹرک کمپنی‘ حیدرآباد الیکٹرک کمپنی‘ پشاور الیکٹرک کمپنی‘ سکھر الیکٹرک کمپنی کی نج کاری ہوگی۔ تیسرا مرحلہ جو تین سے پانچ سال پر مشتمل ہوسکتا ہے‘ اس میں آخری ایک ادارے پوسٹل لائف انشورنس کمپنی کی نج کاری کی جائے گی۔

کچھ دن پہلے یہ خبر بھی آئی تھی کہ صدر ٹرمپ نے پاکستان پر ٹیرف ۲۹ فیصد سے کم کر کے ۱۹ فیصد کر دیا ہے جبکہ انڈیا کا ٹیرف ۲۵ فیصد کر دیا ہے۔ اس پر ہمارے ہاں ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے کہ انڈیا میں مہنگائی بہت زیادہ ہو جائے گی‘ وہاں پیٹرول نہیں ملے گا اور پاکستان تیل نکال کر بھارت کو برآمد کیا کرے گا۔ وزیر مملکت برائے خزانہ کا کہنا ہے کہ امریکا سے معاہدے کے بعد پاکستان کو جنوبی ایشیا میں سب سے کم ٹیرف ملا ہے جس سے یقیناً ہماری برآمدات میں اضافہ ہوگا۔

صدر ٹرمپ کا یا امریکہ کا پاکستان پر اچانک مہربان ہو جانا حقیقت میں باعثِ مسرت نہیں بلکہ باعثِ تشویش ہے۔ آج سے تقریباً ۵ دہائیاں قبل سابق امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے امریکی خارجہ پالیسی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ امریکہ کا دشمن تو اُس سے بچ سکتا ہے لیکن اُس کا دوست اُس سے نہیں بچ سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے امریکہ سے تعلقات بلکہ غلامی کی ۷۸ سالہ تاریخ اِس بات کی گواہ ہے کہ امریکہ نے ہر اہم موڑ پر پاکستان کو نقصان ہی پہنچایا ہے۔ لہٰذا امریکہ کے پاکستان پر اچانک مہربان ہو جانا اور فیلڈ مارشل صاحب کا چند ہفتوں کے وقفے سے دوبارہ امریکہ کا دورہ کرنا ملک وملت کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

امریکہ پاکستان میں موجود قیمتی اور نایاب معدنیات خصوصاً تانبے کے ذخائر پر بھی نظر رکھے ہوئے ہے۔ ہمیں ہرگز یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ امریکی خارجہ پالیسی کے دو اہم ستون ہیں: ناجائز صہیونی ریاست اسرائیل کی ہر قیمت پر غیر مشروط مدد کرنا اور دنیا بھر میں اپنی اجارہ داری کو قائم کرنا۔ بھارت چونکہ امریکہ اور اسرائیل کی طرف سے دیے گئے اہداف کو پورا نہ کر سکا اِس لیے آج بظاہر اُن کے زیرِ عتاب ہے۔

دوسری طرف ایرانی صدر کا دوروزہ دورۂ پاکستان حقیقتاً پاکستان اور ایران دونوں کے لیے انتہائی خوش آئند ہے۔ اِس دورے کے دوران کُل ۱۲ معاہدات طے پائے جن کے اثرات وقت آنے پر ظاہر ہوں گے۔ اہم بات یہ ہے کہ اِس دورہ کے دوران وزیراعظم پاکستان نے ایران

کے پُرامن جوہری توانائی کے حصول کے حق کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ سراہا بھی۔ دوسری طرف ایرانی صدر کا یہ کہنا کہ ’’متحد رہنے سے ہی ہماری خودمختاری قائم رہے گی‘‘ ایک حوصلہ افزا پیغام ہے۔ ہم ہمیشہ سے پاکستان‘ ایران اور افغانستان کے درمیان اتحاد کی بات کرتے آئے ہیں۔ ان میں سے دو ممالک کا ایک پلیٹ فارم پر متحد ہونا‘ اس خواب کی دو تہائی تکمیل سمجھا جاسکتا ہے۔

امریکہ سے معاہدے تجارتی ہوں یا فوجی‘ اُن سے فائدہ ہمیشہ امریکہ یا بعض اوقات معاہدہ کرنے والی پاکستانی ٹیم نے ہی اُٹھایا ہے جبکہ وطن عزیز نے ہمیشہ نقصان ہی اُٹھایا ہے۔

اگلے چند ہفتوں میں پاکستان‘ چین اور بھارت کے سربراہان کی ملاقات متوقع ہے‘ جس سے خطے میں کوئی اہم پیش رفت بھی ہوسکتی ہے بشرطیکہ مودی کشمیر اور خود بھارت میں مسلم دشمن پالیسیوں اور امریکہ واسرائیل کے ساتھ اتحاد سے تائب ہو جائے‘ جس کا امکان بہت کم ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ پاکستان کو امریکہ یا کسی بھی اور سپر پاور سے توقعات وابستہ کرنے کی بجائے خود اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ معدنی وسائل کی تلاش کے لیے امریکہ سے کیے جانے والے معاہدوں میں بھی شاید ہی کوئی شِق پاکستان کے مفاد میں لکھی گئی ہو‘ ورنہ تو ہمیشہ سے ’’چت بھی میری اور پٹ بھی میری‘ اَنٹا میرے باپ کا‘‘ والا حساب ہی رہا ہے۔ پاکستان بھی دو کشتیوں کا سوار بننے کی بجائے عالمی جنوب (Global South) کے ساتھ جُڑے رہنے کا اصولی فیصلہ کرے تو اچھا ہے۔

غزہ‘ کشمیر اور دیگر مسلم ممالک میں دشمن قوتوں کا ظلم وستم روکنے کا اصل اور دیرپا حل تو یہ ہے کہ مسلم ممالک میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو۔ یہ اُسی صورت میں ممکن ہے جب نسل‘ رنگ اور دیگر عصبیتوں سے بالاتر ہو کر تمام ۵۷ مسلم ممالک قرآن وسنت کو اپنا امام بنا کر اُن سے جڑ جائیں اور دین کے نفاذ کے لیے تن من دھن لگا دیں۔ اِسی میں پاکستان کی بقا اور سلامتی بھی مضمر ہے۔ اگر مسلمان ممالک اب بھی جسدِ واحد کی صورت اختیار نہیں کرتے تو طاغوتی قوتیں ایک ایک کر کے انہیں نیست و نابود کر دیں گی اور اِس حوالے سے ایران کے بعد اگلی باری پاکستان کی بھی آسکتی ہے۔ اس کی ایک کوشش حال ہی میں بھارت نے امریکہ اور اسرائیل کی مدد سے ’’آپریشن سندور‘‘ کی صورت میں کی‘ لیکن اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے پاکستان نے دشمنوں کو ہزیمت ناک شکست دی۔ اللہ تعالیٰ مسلم ممالک کے حکمرانوں اور مقتدر حلقوں کو حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے دینِ متین کے مطابق فیصلے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

جاہلیّتِ قدیمہ اور جاہلیّتِ جدیدہ کا امتزاج

ایّوب بیگ مرزا

حیرت کی بات ہے کہ آج کی دنیا خود کو مہذّب کہتی ہے اور بڑی بڑی محفلوں میں کہا اور سنا جاتا ہے کہ آج کے تہذیب یافتہ‘ ترقی پسند اور مہذب معاشرے میں فلاں انوکھا واقعہ ظہور پزیر ہوا ہے۔ پرانے زمانے اور ماضی بعید کے معاشروں کی جاہلیت کا ذکر بڑی نفرت سے کیا جاتا ہے۔ راقم کو نہ جدید معاشرے کی روز افزوں ترقی پر کوئی اعتراض ہے اور نہ ہی پرانے ادوار کے بعض جاہلانہ رسوم ورواج اور طور طریقوں پر تنقید سے اختلاف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر ہم ماضی اور حال پر گہری اور وقیع نگاہ ڈالیں تو حال کی ترقی صرف سائنس اور ٹیکنالوجی کے حوالے ہی سے نظر آتی ہے۔ انسان نہ صرف خود ایک مشین بن چکا ہے بلکہ روبوٹ کا نام دے کر مشینی انسانوں سے حقیقی انسانوں والا کام لے رہا ہے۔ پھر یہ کہ سالوں اور مہینوں کے سفر دنوں اور گھنٹوں میں طے ہو رہے ہیں۔ البتہ انسانیت کے سفر کا کیا حال ہے؟ اس سفر میں اخلاقیات کا پڑاؤ کہاں پر ہے؟ ہمدردی‘ اخوت اور محبت کے الفاظ کس طرح انسان کے ذاتی اور سیاسی مفادات سے جُڑ کر بے معنی ہو چکے ہیں۔ سیاسی اور معاشی مفادات عدل وانصاف کو بری طرح کچل کر ظلم وستم اور درندگی کو نہ صرف جائز اور درست قرار دے چکے ہیں بلکہ اس سے لطف اندوز بھی ہو رہے ہیں۔

رومی بادشاہوں کے ظلم وستم کہ وہ اپنے دشمن کو بھوکے شیر کے پنجرے میں ڈال کر قہقہے لگاتے تھے‘ اس قدیم جاہلانہ زمانے کا ذکر کر کے کانوں کو ہاتھ لگائے جاتے ہیں‘ لیکن غزہ میں مارے جانے والے‘ بھوک سے مجبور ہو کر ہاتھوں میں برتن لیے قطار میں کھڑے لڑکھڑاتے لوگوں پر بمباری اور ان کا قتل عام اور اس پر خاموشی کیا تہذیبِ نو اور روشن خیالی ہے جس کی مذمت نہیں کی جاسکتی؟ اس کا بڑا خوب صورت حل پیش کیا جاتا ہے کہ اہلِ غزہ اپنا علاقہ خالی کر دیں۔ راقم کی رائے میں پرانے زمانے کے بادشاہوں کے اس طرح کے مظالم اگر جاہلیتِ قدیمہ تھی تو آج یہ منافقت سے لپٹی اور لتھڑی تہذیبِ نو اور نام نہاد مہذب معاشرہ جاہلیتِ جدیدہ کی واضح

اور روشن مثال ہے۔ پہلے جو کام ایک ظالم بادشاہ کرتا تھا اب وہی کام یہ نام نہاد مہذّب معاشرہ ریاستی سطح پر کرتا ہے لیکن پھر بھی اصرار یہ ہے کہ ہمیں مہذّب معاشرہ اور معزّز دنیا کہا جائے۔ برس ہا برس بلکہ شاید صدیاں لگ جائیں لیکن تاریخ اپنا فیصلہ لازماً سنائے گی کہ ہلاکو اور چنگیز خان زیادہ ظالم تھے یا نیتن یاہو اور ٹرمپ ان سے بڑھ کر تھے۔ یہ بات انتہائی تکلیف دہ ہے کہ ہماری حکومت نے اِسی صدر ٹرمپ کو امن کا نوبل پرائز دینے کی سفارش کی ہے۔

یاد رہے جنگ عظیم اول اور دوم دونوں جدید دنیا اور مہذب معاشرے کے سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ تھیں جن میں کروڑوں انسان لقمہ اجل بن گئے۔ اہل علم تو جانتے ہی ہوں گے‘ عام قاری کے لیے عرض ہے کہ دونوں بڑی جنگیں اہلِ یورپ کے درمیان ہوئی تھیں لیکن پہلی کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلطنتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ مسلمانوں کی مرکزیت ختم ہوئی اور قومی ریاستیں وجود میں آگئیں۔ دوسری کا نتیجہ یہ نکلا کہ عالمی طاقت کا مرکز برطانیہ سے امریکہ منتقل ہو گیا۔ یاد رہے اس وقت یہودی امریکی معیشت میں اہم کردار سنبھال چکے تھے اور میڈیا میں بھی ان کا اثر و رسوخ بہت زیادہ ہو چکا تھا۔ برطانوی معیشت چونکہ اپنا بوجھ بھی سنبھال نہ پا رہی تھی لہٰذا اس نے اس منتقلی کو نہ صرف غنیمت جانا بلکہ دل وجان سے قبول بھی کر لیا۔ یہاں یہ بات قارئین کے لیے حیران کن ہوگی کہ روتھ شیلڈ ایک مشہور یہودی خاندان جنگ عظیم کے دونوں فریقوں یعنی انگلینڈ اور جرمنی کی ہر قسم کی مدد کر رہا تھا۔ گویا اس جنگ کو ایندھن فراہم کر رہا تھا۔ یورپ کمزور ہوا اور ایک نئی عالمی طاقت امریکہ ابھر کر سامنے آگئی۔ ادھر سوویت یونین جو پہلے ہی ایک عالمی قوت کی حیثیت سے اثر ورسوخ رکھتا تھا‘ جنگِ عظیم میں جرمنی کو شکست دینے کے بعد باقاعدہ ایک عالمی قوت کی حیثیت سے اپنی طاقت کا لوہا منوا چکا تھا۔ لہٰذا امریکہ اور سوویت یونین دو عالمی قوتیں وجود میں آگئیں اور انہوں نے یورپ کو یوں بانٹ دیا کہ مغربی یورپ امریکہ کے زیر اثر آگیا اور مشرقی یورپ پر سوویت یونین کو کنٹرول حاصل ہو گیا۔ ہم نے بات کا آغاز کیا تھا جاہلیتِ قدیمہ اور جاہلیتِ جدیدہ پر گفتگو سے‘ تو قارئین اگر پرانے زمانے کی جاہلیت یہ تھی کہ غلاموں اور کنیزوں کی خرید وفروخت ہوتی تھی تو نئے زمانے کی جاہلیت یہ ہے کہ انفرادیت تو ختم ہو چکی ہے لیکن ریاستیں بکنے لگی ہیں۔

لیگ آف نیشنز جو بڑی قوتوں کے مقاصد پورے نہیں کر رہی تھی‘ اسے ختم کر کے اقوامِ

متحدہ‘ سلامتی کونسل جیسے ادارے قائم کیے گئے جنہیں دونوں عالمی قوتیں اپنے اپنے سیاسی مقاصد اور مفاد کی تکمیل کے لیے استعمال کرنے لگیں۔ معاشی سطح پر امریکہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک جیسے ادارے وجود میں لایا اور ان اداروں کے ذریعے غریب ممالک کو قرضے کے جنجال میں الجھا کر ان کی داخلی اور خارجی پالیسی پر کنٹرول حاصل کر لیا۔ بعض ریاستیں امریکہ کے زیر اثر آ گئی ہیں اور جو ریاستیں معاشی لحاظ سے زیادہ کمزور تھیں انہوں نے اپنے ملک کی داخلی اور خارجی پالیسی کے حوالے سے ان عالمی قوتوں سے ڈکٹیشن لینا شروع کر دی۔ پھر جب سوویت یونین افغانستان میں مداخلت کے نتیجہ میں شکست و ریخت سے دوچار ہو گیا تو دنیا یونی پولر ہو گئی‘ یعنی امریکہ واحد سپریم پاور آف ورلڈ بن گیا۔ اس پر امریکہ نے یہ بات ڈھکی چھپی نہ رکھی بلکہ نیو ورلڈ آرڈر کا اعلان کر دیا گیا۔ گویا اب دنیا میں وہ ہوگا جو امریکہ چاہے گا۔ پھر امریکہ نے دنیا بھر خاص طور پر معاشی طور پر کمزور ممالک سے جو رویّہ اختیار کیا اس سے آقا اور غلام کا تصور گہرا اور بالکل واضح ہو کر سامنے آیا۔ اب دنیا میں ایک آقا ریاست اور بہت سی غلام ریاستیں ہیں۔ گویا جاہلیتِ قدیمہ میں جو انفرادی غلامی کا سلسلہ جاری تھا‘ جاہلیتِ جدیدہ میں اس نے ریاستی غلامی کی شکل اختیار کر لی ہے۔ پرانے زمانے میں طاقتور ریاست کمزور ریاست سے خراج وصول کرتی تھی‘ آج غریب ریاست کو قرض کے چُنگل میں پھنسا کر سود اور سود در سود وصول کیا جاتا ہے۔ قتل و غارت گری پہلے تلواروں اور نیزوں سے ہوتی تھی‘ اب ٹینکوں اور بمباری سے ہوتی ہے۔ لہٰذا راقم کو یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ تہذیب یافتہ معاشرہ اور مہذب دنیا کے دعوے داروں نے انسانیت اور اخلاقی اقدار کا جنازہ پرانے زمانے کی نسبت زیادہ دھوم دھام سے نکالا ہے۔

’’جس کی لاٹھی اس کی بھینس‘‘ کا مقولہ پرانا ہے لیکن آج بھی پورے زور شور سے کچھ نہ کچھ کمی بیشی کے ساتھ دنیا بھر میں نافذ ہے۔ البتہ مغربی ممالک اور مشرقی ممالک (مسلمان ممالک بھی کہا جا سکتا ہے) میں اس حوالے سے ایک فرق ہے‘ اور یہ بہت بڑا فرق ہے کہ مغربی ممالک اپنے باشندوں اور شہریوں کے ساتھ تو معاملات پر کافی حد تک بلکہ شاید مکمل طور پر قانونی انداز میں اور اپنے آئین اور قانون کی بالادستی قائم کرتے ہوئے عمل پیرا ہوتے ہیں جبکہ ساری بددیانتی بلکہ صحیح تر الفاظ میں بدمعاشی غیروں خاص طور پر مسلمانوں سے کرتے ہیں۔ دوسری طرف اکثر مسلمان ممالک میں جمہوریت نہیں ہے۔ بادشاہت ہے یا فوجی طالع آزما

ہیں‘ جو اکثر و بیشتر عوامی حمایت سے محروم ہوتے ہیں‘ لہٰذا انہیں ان عالمی قوتوں کا سہارا لینا پڑتا ہے جن کے وہ مقروض ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ غاصب حکمران غیروں کے تو مدّاح بن کر بلکہ عملی طور پر انہیں آقا کا درجہ دے کر ان سے ڈیل کرتے ہیں جبکہ سارا ڈنڈا اپنے شہریوں اور خاص طور پر اپنے سیاسی مخالفین پر چلاتے ہیں۔ گویا مسلمان حکمران خود ان بڑوں کے غلام ہیں اور اپنے شہریوں کو بھی اپنے ان آقاؤں کی غلامی کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

دور جانے کی ضرورت نہیں‘ اپنے پاکستان ہی کی مثال لے لیں۔ آج سے ۷۸ سال پہلے پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا اور جمہوری انداز میں وجود میں آیا تھا۔ بدقسمتی سے نہ پاکستان میں اسلام کا نفاذ ہو سکا اور نہ ہی پاکستان میں کبھی حقیقی جمہوریت اپنی جگہ بنا سکی۔ اس پر ہم غیروں پر الزام دھر سکتے ہیں کہ ان کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا نتیجہ ہے‘ لیکن کون اس حقیقت کا انکاری ہو سکتا ہے کہ اصل قصوروار خود ہم پاکستانی ہیں۔ ۱۹۵۱ء میں تمام مسالک کے ۳۱ علماء نے ۲۲ نکات پر اتفاق کرتے ہوئے پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کی بنیاد طے کی اور حکومت سے اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کیا‘ لیکن تب سے ہی تمام حکومتیں اسلام کے نفاذ میں لیت و لعل سے کام لے رہی ہیں۔ حال ہی میں بڑی دیدہ دلیری سے شریعت اور شعائرِ اسلامی کے خلاف حکومتی فیصلے سامنے آئے ہیں۔ مثلاً لڑکی کی شادی کی عمر کا تعین کرنا اور اسلام آباد میں شراب کے پرمٹوں کی بھرمار‘ وغیرہ وغیرہ۔

یہاں ایک اہم سوال سامنے آتا ہے کہ حکومتیں اگر اسلامی نظام قائم نہ کرنے کی مجرم ہیں تو ہمارے علماء کرام نے اس حوالے سے کون سی کوشش اور جدّوجہد کی ہے؟ اسلامی جماعتوں نے اپنے سیاسی مخالفین کے خلاف تو دھرنے دیے اور اسلام آباد کی طرف لانگ مارچ کیے لیکن اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جدوجہد سرے سے نظر نہیں آتی۔ اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ پہلے جو انتخابات میں اسلامی نظام کا نعرہ لگایا جاتا تھا‘ اب اس کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی جاتی۔ رہ گئی بیچاری جمہوریت‘ اس کی جڑوں پر تو آغاز ہی میں میزائل مار دیا گیا تھا جب صوبہ سرحد کی عوامی حکومت کو ایک انتظامی حکم سے ختم کر دیا گیا۔ جمہوریت کشی میں ہمارے تمام اداروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اگر ایوب خان‘ یحییٰ خان‘ ضیاء الحق اور پرویز مشرف نے مارشل لاء لگائے تو عدلیہ نے آگے بڑھ کر فوجی طالع آزماؤں کو آمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہا۔ وہ سیاست دان

جنہیں جمہوریت کے لیے اپنی جان‘ مال سب کچھ قربان کرنا چاہیے تھا‘ اس لیے کہ سویلین بالادستی اسی صورت میں قائم رہ سکتی تھی‘ جب بھی مارشل لاء لگا تو وہ سیاست دان دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ اگر کچھ نے مزاحمت کا راستہ اختیار کیا تو اکثریت نے انہیں ’’جی آیاں نوں‘‘ کہا۔ لہٰذا اسٹیبلشمنٹ سیاست دانوں کو گھسیٹتی رہی اور وہ ’’bloody civilians‘‘ کی گالی بڑے مؤدب ہو کر سنتے رہے۔

یہ چار مارشل لاء تو کھلے کھلے اور ببانگ دہل تھے۔ پھر اپریل ۲۰۲۲ء میں انوکھا طریقہ اختیار کیا گیا۔ اسلحہ کی نوک پر وقت کی حکومت کے خلاف قومی اسمبلی میں عدم اعتماد کی قرارداد منظور کروائی گئی۔ اس وقت کا آرمی چیف جنرل باجوہ اعلانیہ طور پر اس میں ملوث تھا۔ پھر ایک ایسا ہائبرڈ نظام قائم کیا گیا جس کی مثال شاید دنیا بھر میں کہیں نہ ملے۔ ایک ایسی ڈمی حکومت قائم کی گئی جس کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں کہ اپریل ۲۰۲۲ء میں ختم کی گئی حکومت کے تمام سیاسی مخالفین کو اکٹھا کیا گیا‘ حالانکہ وہ اس سے پہلے ایک دوسرے کے بدترین سیاسی حریف تھے۔ ایک دوسرے پر بدترین کرپشن کے الزامات لگاتے تھے اور ایک دوسرے کو سڑکوں پر گھسیٹنے کی باتیں کرتے تھے۔ عجب بات ہوئی کہ ۲۰۱۸ء کے انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی تحریک انصاف کی حکومت جسے اپریل ۲۰۲۲ء میں ختم کیا گیا‘ وہ اپنی برخاستگی کے وقت انتہائی غیر مقبول ہو چکی تھی۔ اس ہائبرڈ حکومت کی کرپشن اور ملک میں مہنگائی وغیرہ کی وجہ سے تحریک انصاف انتہائی مقبول ہو گئی‘ لہٰذا اس مقبولیت کو ختم کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ تحریک انصاف کے سربراہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ البتہ یہ تدبیر الٹی ثابت ہوئی اور گرفتار سیاسی رہنما ہر گزرتے دن کے ساتھ مقبول‘ مقبول تر بلکہ مقبول ترین ہو گیا۔ اب یہ ہائبرڈ نظام قائم کرنے والوں کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ڈمی حکومت کے کھلاڑی اور اسٹیبلشمنٹ ایک دوسرے کو تحریک انصاف کی مقبولیت کے ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں۔ خیال ہے کہ وہ جلد اپنے اختلافات ختم کرنے پر مجبور ہوں گے‘ اس لیے کہ ان اختلافات کا فائدہ ان کے مشترکہ دشمن قیدی نمبر ۸۰۴ کو پہنچ سکتا ہے۔

اب چونکہ ماہ نومبر قریب آ رہا ہے اور فوج کے سربراہ اپنی ایکسٹینشن چاہتے ہیں‘ مرکز کی نام نہاد حکومت اُس حوالے سے اپنے کچھ مطالبات منظور کروانا چاہتی ہے۔ اب تک تو یہ سسٹم یوں چل رہا تھا کہ تمام داخلی اور خارجی سطح کے فیصلے یعنی حقیقی حکومت تو فوج کے سربراہ کر رہے

تھے اور ڈمی حکومت کے کھلاڑیوں کو اجازت دی ہوئی تھی کہ وہ لوٹ مار کرتے رہیں۔ لہٰذا مصدقہ اطلاعات کے مطابق ۳۰۰ ارب روپیہ شوگر کی پہلے برآمد اور پھر درآمد میں کمایا گیا۔ قصہ کوتاہ‘ کرپشن تمام حدود کراس کر گئی تھی۔ سیالکوٹ کا ADC(R) اقبال سنگھیڑا جس کا تعلق نواز شریف کے قریبی ساتھی خواجہ آصف کے ساتھ ہے‘ وہ الیکشن میں اُس حلقہ کا R.O تھا‘ اصلاً وہ خواجہ صاحب کا فرنٹ مین ہے۔ حکومت آرمی چیف کی ایکسٹینشن کا نوٹیفکیشن نہیں نکال رہی جبکہ اسٹیبلشمنٹ حکومت کی یہ کرپشن سامنے لے آئی اور موصوف کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ گویا اب اندرونی طور پر کھینچ تان شروع ہو گئی ہے۔ اب دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے!

بیرونی اور خارجی سطح پر خطرات بدستور منڈلا رہے ہیں۔ مودی اپنی شکست پر دانت پیس رہا ہے اور بدلہ لینے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اور داخلی سطح پر معاملہ یہ ہے کہ ہماری معیشت ڈوب رہی ہے۔ گزشتہ تین سال میں بیرونی سرمایہ کاری کے بڑے بڑے حکومتی دعوے سامنے آئے۔ ایک محکمہ بنایا گیا جسے ٹاسک ہی یہ دیا گیا کہ وہ بیرونی سرمایہ کاروں کو پاکستان میں سرمایہ کاری کے لیے راغب کرے گا لیکن یہ سب محض اعلانات ہی ثابت ہوئے اور بیرونی سرمایہ دار پاکستان میں سرمایہ کاری پر تیار نہ ہوا۔ اندرونی اور بیرونی قرضوں کے پہاڑ پاکستانیوں پر لَد گئے ہیں۔ تین سال پہلے جی ڈی پی ۶ء۲ فیصد تھا جو کم ہو کر بمشکل ۲ء۵ فیصد رہ گیا ہے۔ ۴۴ فیصد کے قریب پاکستانی غربت کی لکیر کے نیچے آ گئے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ قوم کا بال بال قرض میں جکڑا ہوا ہے اور ہم پاکستانی کس کام میں لگے ہوئے ہیں! آیئے غور کریں کہ کہیں ہمارا معاشرہ جاہلیتِ قدیمہ اور جاہلیتِ جدیدہ کا امتزاج بن کر سامنے تو نہیں آ رہا؟ راقم نے یہ ساری داستان کسی کی مخالفت یا دلچسپی کے لیے بیان نہیں کی بلکہ موجودہ صورتِ حال میں سیاست دانوں‘ اسٹیبلشمنٹ اور تمام سٹیک ہولڈرز کو خبردار کرنا مقصود ہے کہ ہوش کے ناخن لیں۔ ہماری کشتی ڈوب رہی ہے۔ ۱۹۷۱ء میں نہ سقوطِ ڈھاکہ کے وقت امریکی بیڑا ہمیں بچانے آیا تھا نہ آج ٹرمپ کی دوستی ہمیں بچا سکے گی۔ ہمیں اپنے تحفظ کے لیے سیاسی عدم استحکام کو ختم کرنا اور معیشت کو سنوارنا ہو گا‘ وگرنہ امریکہ‘ اسرائیل اور بھارت کا ابلیسی اتحادِ ثلاثہ بڑے خطرناک عزائم رکھتا ہے۔ ہمارے مسائل کا عارضی حل آئین اور قانون کی بالادستی ہے جبکہ مستقل اور دائمی حل اسلامی نظام کا پاکستان میں نفاذ ہے۔ وما علینا الا البلاغ! ❁❁❁

اسلام اور عورت

اَمَۃُ المعطی

’’پردہ‘‘ آزادیٔ نسواں کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو آج مغربیت زدہ عورت کے حواس پر بری طرح چھایا ہوا ہے۔ یہ عورت جو کہ آج بے حجاب ہونے کو بے قرار ہے‘ کل تک معاشرے کا مظلوم ترین طبقہ تھی۔ اس کی حیثیت بھیڑ بکریوں سے زیادہ نہ تھی۔ اس کی پیدائش باعثِ شرمندگی تھی۔ قربان جایئے‘ اُس حبیبِ خدا ﷺ پر جس نے عورت کو پستی و مظلومیت کی اَتھاہ گہرائیوں سے نکال کر معاشرے میں باعزت مقام دیا۔ لیکن افسوس‘ صد افسوس‘ اسے یہ باعزت مقام پسند نہیں آیا۔ وہ ایک انتہا سے نکالی گئی تھی تو اس نے اپنے آپ کو دوسری انتہا تک پہنچا دیا۔ وہ شرم وحیا کا مجسمہ کہی جاتی تھی‘ اب وہ بے حیائی کا نمونہ بن چکی ہے۔ وہ ہر قسم کے اشتہارات کی زینت ہے اور یہ بات اس کے لیے باعثِ شرمندگی نہیں بلکہ وہ اسے اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتی ہے۔ ایک شاعر نے آزادیٔ نسواں کے موضوع پر ایک نہایت فکر انگیز پیغام کی حامل نظم کہی ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں: ؎

شعلے کی طرح کیوں سرِ بازار نکل آئی؟
کس نے تجھے بھڑکایا ہے اے دخترِ اسلام!
لگتی ہے کلی کتنی بھلی شاخِ چمن پر
ہاتھوں میں پہنچ کر کوئی قیمت نہیں رہتی
جو شمع سرِعام لٹاتی ہے اُجالے
اُس شمع کی گھر میں کوئی عزت نہیں رہتی
تسلیم کہ پردہ ہوا کرتا ہے نظر کا
نظروں میں بھی برداشت کی قوت نہیں رہتی

مَردوں کے اگر شانہ بشانہ رہے عورت
کچھ اور ہی بن جاتی ہے‘ عورت نہیں رہتی!

آگے فرماتے ہیں:

کردار پہ کیوں چھاپ ہے مغرب زدگی کی
جب فاطمہ و رابعہ بصری ہے ترا نام
اے دخترِ اسلام!
وہ رتبۂ عالی کوئی مذہب نہیں دیتا
کرتا ہے جو عورت کو عطا مذہبِ اسلام
اے دخترِ اسلام!

ہمارا دین ’’اسلام‘‘ عورت کو ہر لحاظ سے یعنی بحیثیت ماں‘ بیوی‘ بیٹی اور بہن جو باعزت مقام عطا کرتا ہے وہ دنیا کے کسی دوسرے مذہب میں نہیں۔ عورت کو ہر لحاظ سے جو تحفظ اسلام عطا کرتا ہے‘ اس کی مثال دنیا میں کہیں اور نہیں ملتی۔ آج ہم‘ آزادیٔ نسواں کے چکر میں اسلام کی اصل تعلیمات کو بھول گئے ہیں۔ قرآن میں ستر و حجاب کے جو احکامات ہیں ہم ان کی من مانی تاویلیں تلاش کرتے ہیں۔ آیئے کوشش کریں کہ پردے کے بارے میں قرآن کی تعلیمات اور نبی اکرم ﷺ کے احکامات کو سمجھیں اور عمل کریں۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور نبی اکرم ﷺ کی زندگی ہم سب کے لیے بہترین اُسوہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ﴾ (الاحزاب:۲۱)

’’(اے مسلمانو!) تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔‘‘

مسلمان مَردوں کے لیے تو ہر لحاظ سے اور ہر اعتبار سے آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس نمونہ ہے لیکن مسلمان خواتین کے لیے آنحضرت ﷺ کی سیرت اور زندگی مکمل نمونہ نہیں بن سکتی۔ بطورِ خاتون‘ بطورِ بیوی‘ بطورِ بیٹی اور بطورِ ماں یہ اُسوہ ہمیں نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں تو نہیں ملے گا‘ حالانکہ یہ بہت ضروری ہے۔ عورت کی ان حیثیات کے لیے بھی تو کوئی نمونہ‘ کوئی آئیڈیل ہونا چاہیے جس کو دیکھ کر تا قیامت مسلمان خواتین اپنے طرزِ عمل کو متعین کر سکیں۔ سورۃ

الاحزاب میں ہی ازواجِ مطہرات ؓ سے خطاب ہو رہا ہے کہ درحقیقت ''وہ'' ہمیشہ کے لیے اُمت کی خواتین کے لیے نمونہ ہیں۔ بظاہر خطاب آنحضور ﷺ کی بیویوں سے ہے جس سے ہماری بعض بہنیں اس مغالطے میں مبتلا ہوگئی ہیں یا کردی گئی ہیں کہ یہ تو انہی سے متعلق احکام ہیں اور عام مسلمان خواتین سے بات نہیں ہو رہی۔ یہ بات ذہن میں واضح ہونی چاہیے کہ قرآن مجید میں یہ اسلوب کیوں ہے! یہ اس لیے ہے کہ ازواجِ مطہرات کو ان تمام معاملات میں مسلمان خواتین کے لیے آئیڈیل بننا تھا جو صرف خواتین سے متعلق اور مخصوص ہیں' ورنہ بحیثیتِ عمومی اسوۂ حسنہ اور کامل نمونہ تو جنابِ محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۲ میں خطاب ﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ﴾ سے ہوتا ہے جو آیت ۳۳ کے اختتام تک چلتا ہے۔

یہ دونوں آیات وہ ہیں جن سے پردے کے احکام کا آغاز اور مسلمان خواتین کے لیے ایک دائرہ کار متعین ہوا ہے۔ آواز کا فتنہ' قرار فی البیوت اور تبرج کی ممانعت۔ اسی سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۳ میں مسلمان مَردوں کے لیے حکم نازل کیا جارہا ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط﴾

''اور جب تمہیں ان سے (نبی ﷺ کی بیویوں سے) کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگا کرو۔''

یہاں قرآن مجید میں ''حجاب'' کا لفظ آیا ہے اور علوم فقہ میں یہ آیت ''آیت حجاب'' کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''بخاری میں حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ؓ اس آیت کے نزول سے پہلے متعدد مرتبہ عرض کر چکے تھے کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ کے ہاں بھلے اور برے سب ہی قسم کے لوگ آتے ہیں' کاش آپ اپنی ازواجِ مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم دیتے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر ؓ نے ازواجِ رسولؐ سے کہا: ''اگر آپ کے حق میں میری بات مانی جائے تو کبھی میری نگاہیں آپ کو نہ دیکھیں''۔ لیکن رسول اللہ ﷺ چونکہ خودمختار نہ تھے' اس لیے آپ اشارۂ الٰہی کے منتظر رہے۔ آخرکار یہ حکم آ گیا۔ اس حکم کے بعد ازواجِ مطہرات کے گھروں میں دروازوں پر پردے لٹکا دیے گئے اور چونکہ حضور ﷺ کا گھر تمام مسلمانوں کے لیے نمونے کا گھر تھا اس لیے تمام مسلمانوں کے گھروں پر بھی پردے لٹک گئے۔''

مولانا مودودی آگے لکھتے ہیں:

''جو کتاب مَردوں کو عورتوں سے رُودَررُو بات کرنے سے روکتی ہے اور پردے کے پیچھے سے بات کرنے میں یہ مصلحت بتاتی ہے کہ ''تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے یہ طریقہ زیادہ مناسب ہے'' اُس سے آخر یہ نرالی روح کیسے کشید کی جاسکتی ہے کہ مخلوط مجالس اور مخلوط تعلیم اور جمہوری ادارات اور دفاتر میں مَردوں اور عورتوں کا بے تکلف میل جول بالکل جائز ہے اور اس سے دلوں کی پاکیزگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا!''

غور کیجیے' اُمہات المومنین کے متعلق کس کے دل میں برا خیال پیدا ہوسکتا ہے؟ یہ اُسلوب اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ تمام مسلمان خواتین وحضرات کے لیے یہ مستقل ہدایت ہے۔ اسلام کے معاشرتی نظام میں صالح اقدار کے فروغ کے لیے یہی پاکیزہ طرزِ عمل ہے۔ ان احکام کی حکمتوں پر غور کریں۔ اللہ تعالیٰ خالق فطرت ہے' وہ جانتا ہے کہ مرد اور عورت کے مزاج' ان کے میلانات اور رجحانات کیا ہیں! ہم لاکھ پردے ڈالیں' ملمع سازی کریں' تہذیب وتمدن کے تقاضوں کو بہانہ بنائیں لیکن مرد میں عورت کے لیے جاذبیت' کشش اور نفسانی خواہشات کا جو داعیہ رکھا گیا ہے' اسے یہ داعیہ تخلیق کرنے والے سے زیادہ جاننے والا اور کون ہوسکتا ہے؟

ہمارے ہاں ایک گروہ ایسا ہے جو چہرے کے پردے کا قائل نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں نقاب کا ذکر نہیں ہے جبکہ حج اور عمرہ میں عورت کا چہرہ کھلا رہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نقاب کا لفظ قرآن میں نہیں آیا لیکن یہ ایسی ہی بات ہے جو شراب پینے والے کہتے ہیں کہ پورے قرآن میں شراب کے لیے حرام کا لفظ نہیں۔ حدیث میں نقاب کا لفظ موجود ہے۔ یہ روایت سنن ابی داوٗد کی ہے جو صحاح ستہ میں شامل ہے:

جَاءَتِ امْرَأَةٌ إلى النبيِ ﷺ يقال لها أُمُّ خلاد وهي مُنْتَقِبَةٌ تَسأل عَنِ ابنِهَا وهو مقتول، فقال لها بَعْضُ اصحابِ النبيِ ﷺ: جِئْتِ تسألين عَنِ ابْنِكَ وَاَنْتِ مُنْتَقِبَةٌ، فقالت: إنْ اُرْزَأْ ابني فَلَنْ اُرزأَ حَيائِي، فقال رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((ابْنُكِ لَهُ أجرُ شَهِيْدَيْنِ)) قالَت: وَلِمَ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قالَ: ((لِاَنَّهُ قَتَلَهُ اَهْلُ الْكِتَابِ)) (ح:۲۴۸۸)

''ایک خاتون' جس کا نام اُمِ خلاد تھا' نبی اکرم ﷺ کے پاس اپنے بیٹے کا' جو مقتول ہو چکا تھا' انجام دریافت کرنے آئیں اور وہ نقاب پہنے ہوئے تھیں۔ نبی اکرم ﷺ

کے ایک صحابیؓ نے (ان کی اس استقامت پر تعجب کرتے ہوئے) کہا: نقاب پہن کر آپ اپنے بیٹے کا حال دریافت کرنے آئی ہیں؟ انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا: میرا بیٹا مرا ہے' میری حیا تو نہیں مری۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کو تسلی دی کہ تمہارے بیٹے کو دو شہیدوں کا اجر ملے گا۔ انہوں نے پوچھا: ایسا کیوں ہوگا یارسول اللہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس لیے کہ اس کو اہل کتاب نے قتل کیا ہے۔''

اس حدیث میں لفظ مُتَنَقِّبَۃٌ کا مادّہ نقب ہے' اسی سے نقاب مصدر ہے۔ یہ خاتون اس حال میں نقاب ڈالے ہوئے تھیں کہ ایسے سانحہ پر تو اچھی خاصی دین دار خواتین کو بھی غم واندوہ کی کیفیت میں حجاب کا خیال نہیں رہتا۔ اسی لیے ایک صحابیؓ نے تعجب سے پوچھا کہ اس حال میں آپ نقاب میں آئی ہیں! ان خاتون کا جواب آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ ''میرا بیٹا مرا ہے' میری حیا نہیں مری۔''

''واقعۂ اِفک'' کے سلسلے میں حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں انہوں نے صراحت سے ذکر کیا کہ صفوانؓ نے ان کو اس لیے پہچان لیا کہ انہوں نے حکم حجاب سے قبل انہیں (حضرت عائشہؓ کو) دیکھا تھا۔

ان دونوں حدیثوں سے چہرے کے پردے کے بارے میں کوئی اِشکال نہیں رہتا۔ حج اور عمرے کے احرام میں عورت کے چہرے کے کھلے ہونے سے جو دلیل پکڑی جاتی ہے اس کے بارے میں ایسے حضرات وخواتین کو ایک اصول جان لینا چاہیے کہ استثنائی حالات کے احکام کو کلیات پر منطبق نہیں کیا جاسکتا۔ احرام کی حالات میں چہرہ کھلا رکھنے کی ایک استثنائی اجازت یا چہرہ ڈھانپنے یا دستانے پہننے کی ممانعت حدیث میں وارد ضرور ہوئی ہے لیکن اس سے چہرہ کے پردے کا بالکلیہ انکار کر دینا انتہائی غیر معقول طرزِ فکر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے یہ حدیثِ مبارکہ بھی مروی ہے کہ:

''احرام کی حالت میں جب قافلے ہمارے سامنے آتے تو ہم بڑی چادر سر کی طرف سے چہرہ پر اُلٹا لیتیں اور جب وہ گزر جاتے تو ہم اس کو اٹھا دیتیں۔''

اس حدیثِ مبارکہ میں جو لفظ جلباب (بڑی چادر) آیا ہے' اس کی وضاحت سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۹ میں ہے۔ جب گھر میں قرار پکڑنے اور حجاب کے احکام آگئے اور عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر متعین ہوگیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ اگر کسی تمدنی ضرورت سے گھر سے باہر

نکلنا ہو تو کیا کیا جائے! یہ بڑا اہم اور بنیادی سوال ہے۔ فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝۵۹﴾

(الاحزاب)

''اے نبی (ﷺ)! اپنی بیویوں' اپنی بیٹیوں اور اہلِ ایمان کی خواتین سے کہہ دیں کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصّہ لٹکا لیا کریں۔ یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ وہ پہچان لی جائیں تو انہیں کوئی ایذا نہ پہنچائی جائے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

عربی میں جِلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو پورے جسم کو ڈھانپ لے اور چھپا لے۔ یہ جلباب ایام جاہلیت میں بھی شریف خاندانوں کی خواتین کے لباس کا جزو تھا۔ قرآن مجید میں اس میں یہ اضافہ کیا گیا کہ اس کا ایک حصہ چہرے پر لٹکا لیا جایا کرے۔ اس طرح چہرے کا پردہ شروع ہوا جس کی تفاصیل احادیث میں آئی ہیں کہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد ازواجِ مطہرات' بنات النبی ﷺ اور تمام مؤمن خواتین باہر نکلتے وقت چادر کو اس طرح اوڑھا کرتی تھیں کہ پورا سر اور پیشانی اور پورا چہرہ چھپ جاتا تھا اور صرف ایک آنکھ کھلی رہ جاتی تھی۔ یہ ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنے کے لیے پردے کا پہلا حکم ہے۔ ضرورت کی یہ پابندی نبی اکرم ﷺ نے لگائی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں روایت موجود ہے:

((قَدْ اَذِنَ اللّٰهُ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ)) (ح:۵۲۳۷)

''اللہ تعالیٰ نے تم (عورتوں) کو اجازت دی ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لیے گھر سے نکل سکتی ہو۔''

''ضرورت'' کا تعین اسلامی تعلیمات کے مجموعی مزاج کو سامنے رکھ کر کیا جا سکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کسی خاتون کے گھر میں کمانے والا کوئی مرد موجود نہ ہو یا صرف مرد کی کمائی گھر کی ضروریات کے لیے کفایت نہ کرے تو شریعت نے اس کی گنجائش رکھی ہے۔ البتہ باہر نکلتے ہوئے تمام پابندیوں کو ملحوظ رکھنا ہوگا اور ایسے اداروں میں کام کرنا ہوگا جہاں عورتیں ہی کارکن اور منتظم ہوں۔ مخلوط اداروں میں کام کرنا' ٹی وی اور ریڈیو میں اناؤنسر یا اخبارات اور ٹی وی میں اشتہارات کا ماڈل یا ایئر ہوسٹس یا اسی نوع کے دوسرے پیشے اختیار کرنے کا معاملہ جن میں

مَردوں سے براہِ راست سابقہ ہوتا ہو اور وہ ان کے لیے فردوسِ نظر بنتی ہوں‘ از روئے اسلام مسلم خواتین کے لیے قطعی ناجائز ہے۔ نبی اکرمﷺ کی ایک طویل حدیث ہے‘ جس میں الفاظ آئے ہیں:

((اَلْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ)) (متفق علیه)

’’آنکھوں کا زنا نظر ہے۔‘‘

ان پیشوں سے متعلق اکثر و بیشتر حصولِ معاش کی مجبوری کم اور جذبہ نمائش زیادہ کارفرما ہوتا ہے۔ ان خواتین میں سے اکثر کو اپنے گھروں کی نگہداشت‘ گھریلو کام کاج اور بچوں کی دیکھ بھال کے لیے ملازمین رکھنے پڑتے ہوں گے۔ پھر ان پیشوں کے تقاضوں کے پیش نظر ان کو میک اَپ‘ بناؤ سنگھار اور مخصوص ملبوسات پر کافی خرچ کرنا ہوتا ہوگا۔ کنوینس کے لیے اچھی خاصی رقم صرف ہوتی ہوگی۔ لہٰذا ان کی اپنی کمائی میں سے ایک چوتھائی یا ایک تہائی سے زیادہ بچت مشکل ہوتی ہوگی۔ ہماری مسلم بہنیں ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ کیا یہ نفع کا سودا ہے یا سراسر خسارے کا! یہ طرزِ عمل اسلامی تعلیمات سے بغاوت‘ اپنی عاقبت کی بربادی اور اپنے خاندان کی روایات‘ شرافت اور عزت سے سرکشی کا موجب ہے۔ البتہ لڑکیوں کے سکولوں اور کالجوں میں درس و تدریس کے لیے ملازمت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ صرف پیشہ ہی نہیں‘ قومی خدمت بھی ہے۔ اسی طرح صرف عورتوں کے علاج معالجے کے لیے طب کے پیشے کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ بن ٹھن کر بازاروں میں شاپنگ کے لیے جانا‘ سیر سپاٹے کے لیے سولہ سنگھار سے لیس ہو کر تفریح گاہوں میں جلوہ افروز ہونا‘ مخلوط تقریبات میں شرکت کرنا‘ مَردوں کے سامنے پریڈ اور کھیلوں وغیرہ میں حصہ لینا‘ از روئے اسلام معصیت کے کام ہیں۔ ان اُمور میں کتاب و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں دوسری آراء ممکن ہی نہیں۔

اب تک سورۃ الاحزاب کے حوالے سے پردے کے ابتدائی احکام کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے۔ پردے کے احکام کی تکمیل سورۃ النور میں ہوئی۔ چونکہ عورت کے گھر سے باہر نکلنے کے مسئلے کی وضاحت ہو رہی ہے لہٰذا سورۃ النور کی آیت ۳۱ کا ایک حصہ جو سابقہ گفتگو سے متعلق ہے‘ اس طرح ہے:

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ﴾

’’اور وہ اپنے پاؤں زمین پر مار کر نہ چلیں کہ ان کی اس زینت میں سے کچھ ظاہر ہو جائے

جسے وہ چھپاتی ہیں۔‘‘

خالق فطرت نے عورت کی چال اور اس کے خرام میں دلکشی اور جاذبیت رکھی ہے۔ اس کے ساتھ اگر زیوروں کی جھنکار بھی شامل ہو جائے تو یہ بھی مرد کی توجہ منعطف کرنے اور اس کے نفسانی محرکات بھڑکانے کا باعث ہوگی۔ لہٰذا غیر مَردوں کے لیے قرآن نے اس کو سختی سے منع کر دیا۔ اسی طرح خوشبو لگا کر گھر سے نکلنے کی بھی بڑی تاکیدی ممانعت حدیث میں آئی ہے۔

گھر کے اندر کے پردے سے متعلق قرآنی احکامات کیا ہیں؟ سورۃ النور کی آیات ۲۷ تا ۳۱ میں اس حوالے سے واضح احکامات موجود ہیں۔ آیت ۳۰ میں تمام اہل ایمان مَردوں اور آیت ۳۱ کی ابتدا میں پہلا حکم مسلمان خواتین کو غضِ بصر کا دیا جا رہا ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾

’’(اے نبیﷺ!) مؤمنین سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ یقیناً اللہ باخبر ہے اُس سے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اور مؤمن عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں‘ اور وہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں‘ سوائے اس کے جو اس میں سے از خود ظاہر ہو جائے۔‘‘

ان آیات میں غضِ بصر کا حکم دیا جا رہا ہے۔ جن لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ یہ سڑک پر چلنے سے متعلق ہے‘ وہ بہت بڑے مغالطے میں پڑ گئے ہیں۔ سڑک پر چلنے کے متعلق تو وہ حکم ہے کہ عورتیں اپنی جلباب لپیٹ کر اور اس کا ایک پلو چہرے پر ڈال کر نکلیں۔ راستہ دیکھنے کے لیے ان کو اپنی آنکھیں کھلی رکھنا ہوں گی۔

ان آیات میں غضِ بصر سے مراد آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی ممانعت‘ اپنے رشتہ داروں کے لیے بھی ہے ماسوائے شوہر کے۔ پھر دوسرے مَردوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا تو نرا فتنے کا باعث ہے۔ نظر شیطان کے تیروں میں سب سے بڑا تیر ہے۔

مرد کے ستر کی حدود نبی اکرمﷺ نے ناف سے گھٹنے تک مقرر کی ہیں‘ اس حصے کو بیوی

کے سوا کسی کے سامنے قصداً یا بلا ضرورت کھولنا شریعت نے حرام کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کا ستر ہاتھ‘ منہ اور پاؤں کے سوا پورے جسم کو قرار دیا ہے۔ چہرہ نامحرم مَردوں کے لیے بھی ستر میں شامل ہے۔ البتہ مَرد اور عورت دونوں کے لیے اَشد طبی ضرورت کے پیش نظر طبیب اور جراح مستثنیٰ کیے گئے ہیں۔

ایسا لباس پہننے والی عورتوں کو جن کا بدن کپڑوں میں سے جھلکتا ہو‘ نبی اکرم ﷺ نے عریاں قرار دیا ہے۔ بخاری میں حضرت اُمّ سلمہ سے ایک طویل روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں:

((فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْآخِرَةِ)) (ح:۱۱۵)

’’پس دنیا میں اکثر کپڑے پہننے والیاں‘ آخرت میں ننگی ہوں گی۔‘‘

یہاں ایسے باریک اور چست کپڑے مراد ہیں جن سے جسم جھلکے یا عورت کی رعنائی کی چیزیں نمایاں ہوں۔ سورۃ النور کی زیر مطالعہ آیت میں آگے خواتین کے گھر کے پردے کے لیے ایک اور حکم آ رہا ہے:

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠﴾ (النور:۳۱)

’’اور چاہیے کہ وہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مار لیا کریں۔‘‘

خمر کے معنی کسی چیز کے چھپانے کے ہیں۔ اسی سے لفظ خِمار بنا ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ نے ’’مفردات القرآن‘‘ میں لکھا ہے کہ لفظ خمار عورت کی اوڑھنی کے لیے بولا جاتا ہے جس کی جمع خُمُر آتی ہے۔ اس سے وہ اوڑھنیاں مراد ہیں جسے اوڑھ کر سر‘ کمر‘ سینہ سب اچھی طرح ڈھانک لیے جائیں۔ اسی کو ہمارے ہاں دوپٹا کہا جاتا ہے‘ یعنی گھر میں بھی محرموں کے لیے عورت کے چہرے‘ ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ پورا جسم ستر ہے۔ آگے بتایا جا رہا ہے کہ محرم کون ہیں!

﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ......﴾ (النور:۳۱)

’’اور وہ نہ ظاہر کریں اپنی زینت کو (کسی پر) سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپوں کے‘ یا اپنے شوہروں کے باپوں کے‘ یا اپنے بیٹوں کے‘ یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے......‘‘

زینت کے ظاہر کرنے یا ہونے کے فرق کو ذہن میں رکھیں۔ اسی آیت میں پہلے یہ الفاظ آ چکے ہیں:

﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (النور:۳۱)

’’اور وہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں‘ سوائے اس کے جو اس میں سے از خود ظاہر ہو جائے۔‘‘

یہ کون سی زینت ہے جس کے اظہار کی اجازت دی جا رہی ہے؟ عورت گھر میں پورے لباس کے ساتھ ہو پھر بھی اس کا چہرہ ہے‘ اس کے ہاتھ پاؤں ہیں اور اس کا قد کاٹھ ہے۔ اس کو آخر عورت کیسے چھپائے؟ اس موضوع پر آیت کے آخر میں پروردگار فرما رہا ہے:

﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۱﴾ (النور)

’’اور اے اہلِ ایمان! تم سب کے سب مل کر اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔‘‘

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس معاملے میں اب تک جو لغزش‘ غلطی اور کوتاہی ہوتی رہی ہے‘ اس سے توبہ کرو اور آئندہ کے لیے اپنے طرزِ عمل کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایت کے مطابق اصلاح کرو۔

حکیم الاُمت علامہ اقبال پردے کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری!

’’حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی طرح ہو جاؤ اور زمانے سے چھپ جاؤ کہ تمہاری آغوش میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ جیسی شخصیات پرورش پائیں۔‘‘

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

’’جس قوم نے عورتوں کو ضرورت سے زیادہ آزادی دی وہ کبھی نہ کبھی ضرور اپنی غلطی پر پشیمان ہوگی۔ اگر اسے اس کے اصل فرائض سے ہٹا کر ایسے کاموں پر لگا دیا جائے جنہیں مرد انجام دے سکتا ہے تو یہ طریق کار یقیناً غلط ہوگا۔ مثلاً عورت جس کا کام آئندہ نسل کی تربیت ہے‘ کو ٹائپسٹ یا کلرک بنا دینا نہ صرف قانونِ فطرت کی خلاف ورزی ہے بلکہ انسانی معاشرے کو درہم برہم کرنے کی افسوس ناک کوشش بھی ہے۔‘‘

میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

شکر گزاری

احمد علی محمودی

شکر گزاری ایک ایسا خوب صورت جذبہ ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر قناعت، سکون اور خوشی عطا کرتا ہے۔ شُکر گزاری کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ یا کسی بھی محسن کے احسان، نعمت یا بھلائی کو دل سے تسلیم کرنا، زبان سے اُس کا اعتراف کرنا اور عمل سے اس کا اظہار کرنا۔ ایک شکر گزار انسان نہ صرف خود خوش رہتا ہے، بلکہ دوسروں کو بھی مثبت انداز میں متاثر کرتا ہے۔

☆ شکر گزاری کے درجات

شکر کے مختلف درجات ہیں، جو اسلامی تعلیمات میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کس درجے میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ شکر کو تین درجات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) شکر بالقلب (دل سے شکر): دل میں یہ یقین اور اعتراف کہ ہر نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور وہی اس کا حقیقی مالک اور عطا فرمانے والا ہے۔ انسان اپنے دل میں یہ مانے کہ جو کچھ ملا ہے وہ اللہ کی رحمت، فضل اور مہربانی سے ہے۔ خود کو اُس کا مالک نہ سمجھے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ﴾ (النحل:۵۳)

''اور تمہیں جو نعمت بھی حاصل ہو، وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔''

مزید ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۸﴾ (النحل)

''اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

(۲) شکر باللّسان (زبان سے شکر): اللہ کا ذکر کرنا، اُس کی حمد و ثنا بیان کرنا، اور ''الحمدللہ'' کہنا۔ کسی انسان کا شکریہ ادا کرنا جس نے کوئی بھلائی کی ہو۔ یہ شکر دعاؤں اور تسبیحات کے ذریعے بھی ادا کیا جاتا ہے۔ مثلاً موقع و محل کی مناسبت سے قرآنی اور مسنون دعاؤں اور اذکار کا اہتمام کرنا، جس میں شکر کے الفاظ پائے جاتے ہوں۔

(۳) شکر بالاعضاء (اعضاء سے شکر): اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اُس کے احکام کے مطابق استعمال کرنا۔ انسان اپنے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، زبان، علم، دولت وغیرہ کو اللہ کی اطاعت میں استعمال کرے، نہ کہ گناہ میں۔ یہی شکر کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ﴾ (سبا:۱۳)

''اے آلِ داوٗد! شکر کے طور پر عمل کرو۔''

سچا شکر گزار وہی ہوتا ہے جو دل سے اللہ کی نعمتوں کو مانے، زبان سے شکر ادا کرے، اور اپنے عمل سے اللہ کی رضا کے مطابق زندگی گزارے۔

☆ شکر گزاری کے فوائد و ثمرات

نعمتوں پر شکر ادا کرنا نہ صرف ایک اخلاقی و ایمانی فریضہ ہے، بلکہ اس کے درج ذیل دنیاوی اور اُخروی فوائد اور ثمرات بھی ہیں۔

(۱) نعمتوں میں اضافہ: اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہماری زندگی میں ہر لمحہ موجود ہیں، مگر اکثر ہم ان پر غور نہیں کرتے۔ شکر گزاری ایک ایسا پاکیزہ عمل ہے جو نہ صرف دل کو سکون دیتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مزید رحمتوں کا دروازہ کھولتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ (ابراھیم:۷)

''اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔''

یہ وعدۂ الٰہی ہے، جو کبھی خلاف نہیں ہوتا۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے رزق، صحت، سکون، علم اور دیگر نعمتوں میں برکت عطا فرماتا ہے۔

(۲) دل کا اطمینان: شکر گزاری ایک ایسی صفت ہے جو انسان کے دل کو نرم کرتی ہے، روح کو سکون دیتی ہے اور زندگی کو برکتوں سے بھر دیتی ہے۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہے، تو وہ نہ صرف اپنے خالق سے قریب ہوتا ہے بلکہ اندرونی طور پر بھی ایک گہرے سکون کا احساس پاتا ہے۔ شکر گزار انسان ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے۔ وہ

مشکلات میں بھی خیر تلاش کرتا ہے۔ شکر کرنے والا مایوسی سے بچتا ہے اور اُمید سے بھرپور رہتا ہے۔ اُس کا دل حسد‘ لالچ اور ناشکری سے پاک ہوتا ہے۔ شکر گزاری ایک مثبت طرزِ فکر پیدا کرتی ہے‘ جو انسان کی روحانی کیفیت کو بہتر بناتا ہے۔ ایسے لوگ دنیاوی فکروں سے آزاد ہوجاتے ہیں کیونکہ اُن کا دل مطمئن ہوتا ہے کہ جو کچھ ہے‘ وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو نہیں ہے‘ اُس میں بھی کوئی حکمت ہے۔ شکر گزاری سے دل کی بے چینی کم ہوتی ہے‘ مثبت سوچ پیدا ہوتی ہے‘ تعلقات میں بہتری آتی ہے‘ اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے‘ زندگی میں اطمینان اور سکون آتا ہے۔

(۳) آزمائشوں میں آسانی: زندگی ایک مسلسل امتحان ہے‘ اور ہر انسان کو کسی نہ کسی مرحلے پر آزمائشوں کا سامنا ضرور ہوتا ہے۔ کچھ آزمائشیں بظاہر بہت بھاری محسوس ہوتی ہیں‘ لیکن جو دل اللہ کی نعمتوں پر شکر گزار رہتا ہے‘ وہی ان آزمائشوں میں صابر رہتا ہے۔ شکر گزاری انسان کو آزمائشوں میں ثابت قدم رکھتی ہے۔ انسان مصیبتوں کو اللہ کی طرف سے امتحان سمجھ کر قبول کرتا ہے‘ اور اس کے بدلے میں صبر اور قربِ الٰہی حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا جب بھی آزمائش آئے‘ دل شکر سے لبریز ہو۔ اللہ کی عطا پر نظر ہو‘ نہ کہ صرف ان چیزوں پر جو چھن گئی ہیں۔ ان شاءاللہ‘ شکر کا یہ نور اندھیروں کو روشنی میں بدل دے گا‘ اور آزمائش آسان محسوس ہونے لگے گی۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی محبت: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی شکر گزاری کو پسند فرماتا ہے اور شاکر بندوں سے محبت کرتا ہے۔ یہ مقام بہت عظیم ہے کہ انسان اللہ کا محبوب بن جائے‘ اور اُس کا دل اللہ کی رضا سے سرشار رہے۔ شکر گزار شخص نہ صرف اللہ کی نعمتوں کی قدر کرتا ہے بلکہ دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک بھی کرتا ہے۔ یہی کردار اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

حضرت صہیب ؓ سے روایت ہے‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، اِنَّ اَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، اِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ)) (صحیح مسلم: ۲۹۹۹)

’’مومن کے معاملے پر تعجب ہے‘ اُس کا ہر معاملہ اُس کے لیے بہتر ہوتا ہے‘ اور یہ کسی کو حاصل نہیں سوائے مومن کے۔ اگر اُسے خوشی ملتی ہے تو شکر کرتا ہے‘ تو یہ اُس کے لیے بہتر ہوتا ہے‘ اور اگر اُسے تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے‘ تو یہ بھی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔‘‘

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ لَيَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ، اَنْ يَأْكُلَ الْأَكْلَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا، اَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا)) (صحیح مسلم: ۲۷۳۴)

’’بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے راضی ہوتا ہے کہ وہ ایک کھانا کھاتا ہے اور اُس پر اللہ کی حمد بیان کرتا ہے‘ یا ایک گھونٹ پیتا ہے اور اُس پر اللہ کی حمد کرتا ہے۔‘‘

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ)) (سنن الترمذی: ۱۹۵۴)

’’جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا‘ وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔‘‘

(۵) اُخروی کامیابی: شکر گزار انسان دنیا میں بھی سکون پاتا ہے اور آخرت میں بھی کامیاب ٹھہرتا ہے۔ شکر انسان کو غرور سے بچاتا ہے‘ صبر سکھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کو مضبوط کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے ہدایت دیتا ہے‘ اُس کے دل کو نور بخشتا ہے اور اُس کے درجات بلند کرتا ہے۔ اُخروی کامیابی اُن لوگوں کا مقدر بنتی ہے جو ہر حال میں اللہ کو یاد رکھتے ہیں۔ نعمت ہو یا آزمائش‘ شکر کرتے ہیں۔ شکر گزاری انسان کو اعمالِ صالحہ کی طرف مائل کرتی ہے‘ جو قیامت کے دن نجات کا ذریعہ بنتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۴۵﴾ (آل عمران)

’’اور عنقریب ہم شکر ادا کرنے والوں کو بدلہ عطا کریں گے۔‘‘

(۶) انسانوں کے ساتھ بہتر تعلقات: شکر گزاری دلوں کو نرم کرتی ہے‘ اَنا کو ختم کرتی ہے اور انسان کو عاجزی سکھاتی ہے۔ یہ وہ صفت ہے جو نفرت‘ حسد اور بغض جیسے منفی جذبات کو ختم کر کے محبت‘ خلوص اور ہمدردی کو فروغ دیتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوتا ہے وہ انسانوں کی قدر کرنا بھی جانتا ہے۔ وہ دوسروں کی محنت‘ تعاون‘ اور محبت کو سراہتا ہے۔ یوں معاشرے میں حسنِ سلوک‘ محبت اور اُخوت کو فروغ ملتا ہے۔ ایک شکر گزار انسان دوسروں کی مہربانیوں کو یاد رکھتا اور اُن کا اعتراف کرتا ہے۔

(۷) معاشرتی اور نفسیاتی فوائد: شکر گزاری ایک مثبت جذباتی کیفیت ہے جو نہ صرف روحانی لحاظ سے انسان کو سکون دیتی ہے بلکہ اس کے نفسیاتی اثرات بھی بے شمار ہیں۔ جدید نفسیات اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ شکر گزار لوگ زیادہ خوش‘ مطمئن اور ذہنی دباؤ سے آزاد

ہوتے ہیں۔شکر گزاری انسان کو موجودہ لمحے میں جینے کی ترغیب دیتی ہے‘ جس سے وہ ماضی کی تلخیوں یا مستقبل کے خدشات سے بچتا ہے۔اس سے دل میں اطمینان اور ذہن میں سکون پیدا ہوتا ہے۔ جولوگ شکر گزار ہوتے ہیں‘ وہ منفی سوچوں میں کم مبتلا ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنی توجہ نعمتوں پر مرکوز رکھتے ہیں نہ کہ محرومیوں پر۔ایک شکر گزار انسان دوسروں سے حسد نہیں کرتا‘ بلکہ اُن کی کامیابیوں پر خوش ہوتا ہے۔وہ رشتے نبھاتا ہے‘ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت کرتا ہے۔اُس کی مثبت سوچ سے خاندان‘ دوست اور معاشرہ سب متاثر ہوتے ہیں۔تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ شکر گزاری کا مستقل اظہار کرنے والے افراد میں ڈپریشن اور اضطراب (anxiety) کی علامات کم ہوتی ہیں۔وہ زیادہ پُرامید اور مطمئن رہتے ہیں۔جب انسان اپنی کامیابیوں اور نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ اپنی اہمیت کو محسوس کرتا ہے‘ جو اُس کے اندر خوداعتمادی پیدا کرتی ہے۔شکر گزاری کا اظہار دوسروں کے ساتھ تعلقات کو مضبوط کرتا ہے۔ جب آپ دوسروں کا شکریہ ادا کرتے ہیں تو وہ آپ سے قریب ہوتے ہیں‘ اور باہمی اعتماد بڑھتا ہے۔رات سونے سے قبل شکر گزاری پر مبنی خیالات یا دعا کرنا نیند کو بہتر بناتا ہے‘ ذہنی دباؤ کو کم کرتا ہے اور سکون بخش نیند کا ذریعہ بنتا ہے۔

☆ناشکری کے نقصانات

یہ انسان کی ایک منفی صفت ہے جو اُس کی زندگی پر گہرے روحانی‘ نفسیاتی اور معاشرتی اثرات ڈالتی ہے۔قرآن وسُنّت میں بار ہا شکر گزاری کی تلقین کی گئی ہے‘ اور ناشکری کو برائی اور ہلاکت کی راہ قرار دیا گیا ہے۔ناشکری سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث بنتی ہے۔ جب انسان اللہ کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتا تو وہ اُس کی رحمت سے محروم ہوسکتا ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝﴾ (ابراھیم)

’’اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان فرمادیا کہ اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو مَیں تمہیں اور زیادہ عطا کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔‘‘

ناشکری کرنے والا فرد ہمیشہ محرومی اور مایوسی کا شکار رہتا ہے۔وہ دوسروں کی نعمتیں دیکھ کر

حسد کرتا ہے اور اپنے پاس موجود چیزوں میں خوشی محسوس نہیں کرتا۔ناشکر گزار لوگ دوسروں کا احسان نہیں مانتے‘ جس کی وجہ سے رشتے کمزور ہوجاتے ہیں۔ایسے لوگ دوستوں‘ اہلِ خانہ اور معاشرے میں ناپسندیدہ ہوتے ہیں۔ جب معاشرے میں ناشکری عام ہوجائے تو لوگ ایک دوسرے کی مدد کرنے سے گریز کرتے ہیں‘ کیونکہ اُن کی نیکی کا اعتراف نہیں کیا جاتا۔ناشکری کفرانِ نعمت کی طرف لے جاتی ہے‘ جو ایمان میں کمزوری کا سبب بنتا ہے۔ناشکری انسان کے دل کو سخت اور بے چین بنادیتی ہے۔وہ ہر وقت مایوس اور شکوہ کناں رہتا ہے۔

☆شکر گزاری کیسے اپنائیں؟

دن کا آغاز ’’الحمدللہ‘‘ سے کریں۔نماز کے بعد دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ ’’الحمدللہ‘‘ کو اپنی زبان پر جاری رکھیں‘ خاص طور پر خوشی‘ نعمت یا کامیابی کے وقت۔ہر چھوٹی بڑی نعمت پر شکر ادا کریں۔روزانہ پانچ ایسی چیزوں کا شکر ادا کریں جو آپ کے پاس ہیں‘ جیسے: صحت‘ گھر‘ سواری‘ کسی کی محبت یا مدد۔دوسروں کی مدد کریں‘ ایسا کرنے سے آپ اپنی نعمتوں کا حقیقی احساس کرتے ہیں۔ناشکری‘ شکایت اور منفی باتوں سے پرہیز کریں۔دوسروں کی قدر اور حوصلہ افزائی کریں۔لوگوں کا شکریہ ادا کریں‘ چاہے وہ چھوٹا سا کام ہی کیوں نہ ہو۔ ’’جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا‘‘ یا ’’شکریہ‘‘ کہنے کی عادت بنائیں۔یہ الفاظ تعلقات کو مضبوط بناتے ہیں۔پریشانی میں بھی کوئی نہ کوئی خیر تلاش کریں۔نقصان یا آزمائش میں صبر اور شکر کریں۔دوسروں کی کمی کو دیکھ کر اپنی نعمتوں کو پہچانیں۔شکر کرنے والا کبھی محروم نہیں رہتا۔ ❁❁❁

ماھنامہ ’’میثاق‘‘ لاھور

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے قرآنی فکر کا ترجمان‘ ایک علمی‘ دعوتی اور تربیتی رسالہ!

صرف آپ ہی کے زیرِ مطالعہ کیوں؟

وقت اور حالات کی اشد ضرورت ہے کہ اسے ایک مشن سمجھ کر واعظین و مربّیین‘ تعلیمی اداروں‘ لائبریریوں‘ مکتبہ جات اور ہر گھر و فرد اور خاص طور پر الاقرب فالاقرب کی بنیاد پر اپنے دوست‘ احباب اور اعزّہ واقربا تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کریں۔

یہ آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہوگا!

اسماء اللہ الحسنیٰ (۳)

از: پروفیسر حافظ قاسم رضوان

(۱۸) الرَّزَّاقُ

رزق کے معنی اکل وشُرب کی اشیاء اور مال ومتاع وغیرہ ہیں۔ وہ سب چیزیں جن سے انسان لذت نیز حسی اور ذہنی فائدہ حاصل کرتا ہے‘ رزق میں شامل ہیں۔ سورۃ الذاریات میں فرمایا گیا:﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴾ ’’یقیناً اللہ ہی سب کو رزق دینے والا‘ قوت والا‘ زبردست ہے۔‘‘ سورۃ المؤمنون میں ارشاد ہوا:﴿وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾ ’’اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔‘‘اسی طرح سورۃ الجمعہ میں ہمیں بتایا گیا:﴿وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾ ’’اور اللہ بہترین رزق عطا کرنے والا ہے۔‘‘ سورۃ الحج میں فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾ ’’اور یقیناً اللہ ہی بہترین رزق دینے والا ہے۔‘‘

بعض اوقات ماں باپ‘ حاکم‘ محسن‘ امیر یا بادشاہ کو یہ گمان ہو جاتا ہے کہ وہ دوسروں کو رزق دیتے ہیں۔ عارضی طور پر اگر یہ لوگ اپنے دعویٰ میں سچے بھی ہوں‘ تب بھی واضح ہوتا ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی رزق رسانی بدرجہ اَتم اور اَکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو دیکھیں تو کوئی روٹی کا بھوکا ہے‘ کوئی گوشت کا‘ کوئی گھاس کا تو کوئی ذوق وشوق کا‘ کوئی محبت کا تو کوئی ذکر کا اور کوئی توجہ کا۔ ہر ایک کو اُس کا مطلوبہ رزق بہم پہنچانا اُسی رزّاقِ مطلق کا کام ہے۔ ایک غذا کے اندر معدہ‘ اعصاب‘ شرائین‘ جگر‘ تلی اور قلب ودماغ کی پرورش کرنے والے الگ الگ اجزاء ہیں۔ ایک ہی جسم کے اندر رزق کی ایسی تقسیم اُس ربّ العالمین کے سوا کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔

(۱۹) الْفَتَّاحُ

لغت میں فتح کے معنی کشائش وکشودگی (کھولنے) کے ہیں۔ کلید (چابی) کو مفتاح اسی لیے کہا جاتا ہے۔ فتح کے معنی کسی چیز کا پہلا حصہ بھی ہیں۔ فواتح القرآن یعنی قرآن پاک کی

ابتدائی سورتیں۔ فاتحۃ الکتاب‘ الحمد شریف کو کہا جاتا ہے۔ الفتّاح سے مراد کھولنے والا‘ فیصلہ کرنے والا ہے۔ اب قرآن کریم میں فتح کے استعمال کے مختلف معانی پر غور کیجیے:

﴿وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ ﴾(یوسف:۶۵) ’’اور جب انہوں نے کھولا اپنا سامان۔‘‘

سورۃ الاعراف میں فرمایا:﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾ (آیت ۹۶) ’’اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر کھول دیتے آسمانوں اور زمین کی برکتیں۔‘‘ حضرت نوح علیہ السلام کی التجا سورۃ الشعراء میں نقل ہوئی ہے:﴿فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا ﴾ (آیت ۱۱۸) ’’تو آپ دوٹوک فیصلہ فرما دے میرے اور ان کے مابین۔‘‘ سورۃ السجدہ میں ارشاد ہے:﴿قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ ﴾ (آیت ۲۹) ’’(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کہیے کہ فیصلے کے دن کافروں کا ایمان لانا انہیں کچھ فائدہ نہیں دے گا۔‘‘ یہاں قیامت کو ’’یوم الفتح‘‘ کہا گیا ہے کہ اس روز ساری حقیقت کھل کر واضح ہو جائے گی۔ سورۃ الفتح کی پہلی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر ارشادِ ربانی ہے:﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴾ ’’یقیناً ہم نے آپؐ کو ایک بڑی روشن فتح عطا فرمائی ہے۔‘‘

اسی طرح مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دعا پڑھی جاتی ہے:اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ ’’اے اللہ! میرے لیے رحمت کے دروازے کھول دے۔‘‘

غور کریں کہ ’’فَتَّاح‘‘ وہی ذاتِ باری تعالیٰ ہے جو مشکلات ومہمات کو کھول دیتی ہے‘ جو دل کو حق کے لیے کھول دیتی ہے اور جو زبان پر علوم (حق) کو جاری فرما دیتی ہے۔ سورۃ سبا میں فرمانِ الٰہی ہے:﴿قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴾ ’’آپؐ کہہ دیجیے کہ ہمارا رب ہم سب کو (ایک دن) جمع کرے گا‘ پھر وہ فیصلہ کردے گا ہمارے مابین حق کے ساتھ‘ اور وہ خوب فیصلہ کرنے والا‘ خوب جاننے والا ہے۔‘‘

گویا فَتَّاح وہی ذاتِ باری تعالیٰ ہے جو اہلِ حق واہلِ باطل کے درمیان فیصلہ فرماتی ہے۔ چنانچہ اہلِ ایمان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذاتِ مقدّس سے ہی کشائش ظاہری وباطنی کی اُمید رکھنی چاہیے۔

(۲۰) الْعَلِيْمُ

علم سے عَلِیم بنا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ عالم بھی آیا ہے۔

سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَ كُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ عٰلِمِیْنَ ﴿۸۱﴾﴾ ’’اور ہم تمام چیزوں کا علم رکھنے والے ہیں۔‘‘ سورۃ الحشر میں ربّ العالمین کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ﴾ (آیت ۲۲) ’’وہ جاننے والا ہے چھپے کا اور کھلے کا۔‘‘ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لیے عَلَّام کا لفظ بھی آیا ہے۔ سورۃ المائدۃ میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾﴾ ’’یقیناً تمام پوشیدہ حقیقتوں کا جاننے والا تو بس تو ہی ہے۔‘‘ ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے اَعْلَمُ (سب سے زیادہ جاننے والا) کا لفظ بھی آیا ہے۔ سورۃ الانعام میں ہے: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ﴾ (آیت ۱۲۴) ’’اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کا کام کس سے لے اور کس طرح لے!‘‘

مندرجہ ذیل آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے علیم ہونے کی صورت کے مختلف مدارج کون سے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾﴾ (آل عمران) ’’یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ سینوں کے اندر مضمر ہے اس سے بھی واقف ہے۔‘‘ سورۃ النحل میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ ۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾﴾ ’’بے شک اللہ خوب جانتا ہے اُسے جو کچھ تم کر رہے تھے۔‘‘ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہے: ﴿اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۳۱﴾﴾ ’’بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کا جاننے والا ہے۔‘‘ سورۂ ہود میں ارشاد ہے: ﴿یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۚ﴾ (آیت ۵) ’’اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپا رہے ہوتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کر رہے ہوتے ہیں۔‘‘ سورۃ الرعد میں ارشاد ہے: ﴿یَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ﴾ (آیت ۴۲) ’’وہ جانتا ہے ہر جان جو کچھ کماتی ہے۔‘‘ سورۃ الاحقاف میں ارشاد ہے: ﴿قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۫﴾ (آیت ۲۳) ’’کہہ دیجیے: اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔‘‘ سورۃ الاعراف میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ﴾ (آیت ۸۹) ’’اور ہمارے ربّ کے علم نے تو ہر شے کا احاطہ کیا ہوا ہے۔‘‘ سورۂ سبا میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ﴾ (آیت ۲) ’’وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے‘ اور جو کچھ آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے۔‘‘

علمِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کے متعلق درج بالا چند آیات کا انتخاب کیا گیا ہے‘ ورنہ اس سے متعلق قرآن کریم میں اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ یہ آیات بتلاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سینہ و دل کی چھپی ہوئی باتوں اور بھیدوں کا جاننے والا ہے اور اس کو اعمالِ انسانی کا بھی کامل علم ہے۔ زمین کے اندر کے راز‘ آسمانوں کے اوپر کے اَسرار‘ زمین سے اوپر کو اُٹھنے والی چیزیں اور اوپر سے نیچے نازل ہونے والی چیزیں سب اُس ذات کے علم میں ہیں۔ گزری ہوئی امتیں‘ آنے والی نسلیں سب کو وہ جانتا ہے۔ جن پاک ہستیوں کو نبوت و رسالت کے مناصب پر سرفراز کیا گیا‘ وہ سب علم الٰہی کا ثمر تھا۔ لوگ اہل علم کو تو دیکھتے ہیں لیکن اُس علیم سے بے خبر رہتے ہیں جس نے علم کو اور معلومات کو پیدا کیا‘ جس نے علم و معلومات میں وابستگی کر دی۔ جس ذات نے سوچنے والا دماغ‘ سمجھنے والا دل‘ سننے والے کان اور بولنے والی زبان پیدا کی۔ یہی تو وہ آلات ہیں جن پر وجودِ علم کا انحصار ہے۔ پس اگر کوئی علم کا چاہنے والا ہے تو اسے چاہیے کہ آستانِ علیم پر جبیں سائی کرے اور یہیں اپنا سر جھکائے۔

(۲۱) السَّمِیْعُ

یہ باری تعالیٰ کے مشہور اسماء میں سے ہے۔ سمیع تو وہی ہے جو جملہ مسموعات اور جملہ اصوات کا سننے والا ہے۔ سمیع تو وہی ہے جو جملہ اقوال و الفاظ اور جملہ کلمات و عبادات کا سننے والا ہے۔ السَّمِیع کے معنی بہت سننے والا کے ہیں۔ سورۃ المجادلہ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۱﴾﴾ ’’یقیناً اللہ نے سن لی اُس عورت کی بات جو (اے نبی ﷺ!) آپ سے جھگڑ رہی ہے اپنے شوہر کے بارے میں اور وہ اللہ سے بھی فریاد کر رہی ہے۔ اور اللہ سن رہا ہے آپ دونوں کے مابین ہونے والی گفتگو۔ بے شک اللہ خوب سننے والا‘ خوب دیکھنے والا ہے۔‘‘

درج ذیل آیات میں الفاظ و کلمات کی سماعت کا ثبوت ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا﴾ (آل عمران: ۱۸۱) ’’اللہ نے سن لیا ہے قول ان لوگوں کا جنھوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ ہم لکھ رکھیں گے جو کچھ انہوں نے کہا ہے۔‘‘ سورۂ ابراہیم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾﴾ ’’یقیناً میرا پروردگار دعاؤں کا سننے والا ہے۔‘‘ قرآن کریم میں اس اسم

کا استعمال سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اور السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ کی صورت میں ۲۵ مقامات پر ہوا ہے۔ چار مقامات پر سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ اور ایک مقام پر ﴿اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ (۵۰)﴾ (سبا) ''یقیناً وہ خوب سننے والا' بہت قریب ہے'' آیا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سمیع بمعنی علیم یا بصیر نہیں ہے بلکہ ہر ایک اسم مستقل اور اپنی جداگانہ خصوصیات لیے ہوئے ہے۔

یہ بھی بہت ضروری تھا کہ قرآن عظیم ایسے اسماء کے استعمال کے ساتھ شائبہ تشبیہ نہ پیدا ہونے دے' اس لیے بندے کی سماعت کی حقیقت بھی بیان فرما دی۔ سورۃ المؤمنون میں فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ﴾ (آیت ۷۸) ''اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنائے ہیں کان' آنکھیں اور عقل۔'' لہٰذا بندے کی سماعت کو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ سماعت سے کوئی نسبت باہم نہیں۔ سمیع تو بس وہی ذات ہے جو انسانوں کے ساتھ چرند و پرند اور درندوں کی بھی سنتا ہے۔ کروڑوں اصوات اور ہزاروں لاکھوں لغات اور لاتعداد معروضاتِ اس کی سماعت میں خلل انداز نہیں ہوسکتیں۔ وہ بے زبانوں کی بھی سنتا ہے اور سب کی ضروریات کو نافذ فرماتا ہے۔

(۲۲) اَلْبَصِيْرُ

یہ بصر سے ہے۔ بصر اس صفت کو کہتے ہیں جو مشہودات کا ادراک کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو نہ صرف جملہ مبصرات و مدرکات و مشہودات کا ادراک حاصل ہے' بلکہ وہ الوان واجسام' افعال واعمال اور ہیئات واشکال کا دیکھنے والا بھی ہے۔ ہر شے جس کا تعلق دید سے ہے' وہ اس کو دیکھنے والا ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ (۲۰)﴾ ''اور اللہ اپنے بندوں کے حال کو دیکھ رہا ہے۔'' سورۃ الانفال میں فرمایا: ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۳۹)﴾ ''تو جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ یقیناً اس کو دیکھ رہا ہے۔'' سورۃ الشوریٰ میں فرمایا: ﴿اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ (۲۷)﴾ ''یقیناً وہ اپنے بندوں (کے حالات) سے باخبر' ان کو دیکھنے والا ہے۔'' یہ اسم قرآن کریم میں کہیں سَمِيْع کے ساتھ اور کہیں خَبِيْرٌ کے ساتھ استعمال ہوا ہے اور انسان کو بھی ''سَمِيْع و بَصِيْر'' وہ ربّ العالمین ہی بنانے والا ہے۔ سورۃ الدھر میں فرمایا: ﴿فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا (۲)﴾ ''پھر ہم نے اس کو بنا دیا سننے والا' دیکھنے والا۔'' اُسی ذات نے اپنی مخلوق کے لیے بصائر کو نازل فرمایا۔ سورۃ الانعام میں ارشاد ہے: ﴿قَدْ جَاۗءَكُمْ

بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ﴾ (آیت ۱۰۴) ''(دیکھو) تمہارے پاس آ چکی ہیں بصیرت افروز باتیں تمہارے ربّ کی طرف سے۔'' وہی خالق کائنات ہے کہ بصائر کو اس کا ادراک نہیں اور اسے ابصار کا ادراک حاصل ہے۔ سورۃ الانعام میں فرمایا: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ﴾ (آیت ۱۰۳) ''اُسے نگاہیں نہیں پاسکتیں' جبکہ وہ (تمہاری) نگاہوں کو پالیتا ہے۔'' سورۂ یونس میں فرمایا: ﴿اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ﴾ (آیت ۳۱) ''کون ہے جس کے قبضہ قدرت میں ہیں تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں!'' ذاتِ باری تعالیٰ ہی ہے جس نے کان کی ہڈی کو سننا' آنکھوں کی چربی کو دیکھنا اور زبان کے گوشت کو بولنا سکھایا۔ وہی ذاتِ حق ہے کہ جس کی نظروں کے سامنے سمندروں کی گہرائیاں' رات کی تاریکیاں نیز دلوں کی حالتیں اور طبائع کے اطوار وغیرہ ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ اللہ کو بصیر مانتے ہوئے کسی ایسے فعل کا ارتکاب قطعاً نہ کریں جو اُس کی مخلوق کے سامنے کرتے ہوئے ہچکچاتے ہوں۔

(جاری ہے)

محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا 1996 میں جاری کردہ

ترجمہ قرآن حکیم کورس

اب بذریعہ واٹس ایپ

مشترک، یکساں الفاظ اور تین رنگوں کی مدد سے
گرامر کے بغیر صرف علامات کے ذریعے

Quran Academy, 36K Model Town, Lahore
Whatsapp No. 03334470224, 03094036972
distancelearning@tanzeem.org
www.QuranAcademyLahore.com

Sep. 2025
Vol. 74

Regd. CPL No.115
No.9

Monthly **Meesaq** Lahore

جاری کردہ: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

جدید تعلیم یافتہ حضرات وخواتین کے لیے دینی علوم کے حصول کا نادر موقع

رجوع الی القرآن کورس

(دورانیہ 10 ماہ)

عرصہ 43 سال سے باقاعدگی سے جاری تعلیمی سلسلہ

تعلیمی قابلیت: کم از کم انٹرمیڈیٹ

عمر: کم از کم 22 سال

مضامینِ تدریس

پارٹ ۱ (سالِ اوّل) برائے مرد وخواتین

- تجوید و ناظرہ
- عربی گرائمر (صرف ونحو)
- ترجمہ قرآن (مع تفسیری ولغوی توضیحات)
- دورہ ترجمہ قرآن
- قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی
- سیرت وشمائل النبی ﷺ
- مطالعہِ حدیث واصطلاحاتِ حدیث
- فکرِ اقبال
- فقہ العبادات
- معاشیاتِ اسلام
- اضافی محاضرات

پارٹ ۲ (سال دوم) برائے مرد حضرات

- عربی زبان وادب
- اصولِ تفسیر
- تفسیر القرآن
- اصولِ حدیث
- درسِ حدیث
- اصول الفقہ
- فقہ المعاملات
- عقیدہ (طحاویہ)
- اضافی محاضرات

ایامِ تدریس: پیر تا جمعہ

اوقاتِ تدریس: صبح 8:15 بجے تا 01:00

☆ رجسٹریشن یکم رمضان سے شروع ہے۔ ☆ انٹرویو 01 ستمبر

آغاز کلاسز 02 ستمبر 2025ء (اِن شاءاللہ)

نوٹ: بیرونِ لاہور رہائشی صرف مرد حضرات کے لئے ہاسٹل کی محدود سہولت موجود ہے۔ لہٰذا خواہشمند حضرات پہلے سے رجسٹریشن کروالیں۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی خدماتِ قرآنی کا مرکز

زیرِ انتظام مرکزی انجمن خدّام القرآن (رجسٹرڈ) لاہور

قرآن اکیڈمی 36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
email:irts@tanzeem.org

مزید تفصیلات کے لئے www.tanzeem.org
03161466611 - 04235869501-3